

بیماری اسلام کی نظر میں

اسبال ازار پر وضو دہرانے کی حدیث ایک تحقیقی مطالعہ

قرآن اور سچے (قسط اول)



حلالہ کرنا حرام فعل ہے بلکہ اللہ عزوجل کو دھوکہ دینے کی کوشش ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

امام سعید بن منصور رحمہ اللہ (التوفی: ۲۲۷) نے کہا:

ناہشیم، قال: أنا الأعمش، عن عمران بن الحارث السلمي، قال: جاء رجل إلى ابن عباس، فقال: "إن عمه طلق ثلاثاً، فندم. فقال: عمك عصي الله فأندمه، وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً. قال: أرايت إن أنا تزوجتها عن غير علم منه، أترجع إليه؟ فقال: من يخادع الله عزوجل يخدعه الله"

عمران بن الحارث السلمي رحمہ اللہ بیان کرے ہیں کہ ایک شخص ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ ان کے چچا نے تین طلاق دے دی اب وہ نادم ہیں، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ نے انہیں شرمندہ کیا اور شیطان کی اطاعت کی اس لئے ان کی خاطر کوئی راستہ پیدا نہیں کیا۔ تو اس شخص نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر میں ان کے علم کے بغیر اس عورت سے شادی کر لوں (پھر طلاق دے دوں) تو اس کے بعد وہ میرے چچا کے پاس لوٹ (کر دوبارہ شادی کر) سکتی ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو اللہ کو دھوکہ دے گا اللہ اسے دھوکہ میں ڈال دے گا" (سنن سعید بن منصور، ت الأعظمی: (۳۰۰/۱) رقم (۱۰۶۵) وإسناده صحيح، ومن طريق سعيد بن منصور أخرجه ابن بطة في "إبطال الحيل" (ص: ۳۸) وقد صرح الأعمش عنده بالسماع - وأخرجه أيضاً عبد الرزاق في "مصنفه" (ت الأعظمی: ۲۶/۲۶۲) من طريق الثوري ومعمّر - ومن طريق عبد الرزاق أخرجه ابن حزم في "المحلي" (ت بيروت: ۴۲۸/۹) - وأخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" (ت النجار: ۵۷/۳) من طريق الثوري - وأخرجه البيهقي في "سننه" (ط الهند: ۳۳۷/۷) من طريق ابن نمير - كلهم (الثوري ومعمّر وابن نمير) عن الأعمش، عن مالك بن الحارث به)

نوٹ:

ایک مجلس کی تین طلاق سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دونوں طرح کا فتویٰ ثابت ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا اصل فتویٰ ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہی ہونے کا ہے اور تین والافتویٰ فرمان فاروقی کی بنا پر محض عارضی تھا۔

(کفایت اللہ السنبلی)

Ahl Us Sunnah Volume No.7, Issue No.87, Febuary 2019

جلد: ۷

فی شماره - 30/- Rs.

شماره: ۸۷

سالانہ - 300/- Rs.

فروری ۲۰۱۹ء

ماہنامہ



سرپرست: رضاء اللہ عبدالکریم مدنی نگران: عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنبلی • نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمن سنبلی
معاونین: ابوالبدیان رفعت سلفی • حافظ اکبر علی سلفی، حافظ امتیاز احمد رحمانی
فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی • گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبد الرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد ٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی
• شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبر شپ رابطہ نمبر: 8291063765 / 022-26500400

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph.:022-26500400
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181



05

حافظ خلیل الرحمن عبدالستار سنابلی

سائل مسئول کی ذمہ داریاں اور موجودہ صورت حال

اداریہ

07

آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا وَجِيمًا﴾ کا صحیح معنی و مفہوم اور اعرابی والی روایت کا علمی جائزہ
(دوسری اور آخری قسط)

درفاروق عبداللہ نراین پوری

15

رضوان اللہ عبدالرؤف سراجی

بیاری اسلام کی نظر میں

21

رضاحسن

اسبال ازار پر وضود ہرانے کی حدیث ایک تحقیقی مطالعہ

37

ام هشام

قرآن اور بچے (قسط اول)

45

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

مزار بنانا صحابی کا کام نہیں ہے

نوٹ: قارئین سے اس بات کا وعدہ کیا گیا تھا کہ آئندہ شمارے میں گزشتہ سے پیوستہ شمارے کی بحث مکمل کر لی جائے گی لیکن مدیر مجلہ کی مسلسل مصروفیات اور علمی و تحقیقی کاموں میں لگے رہنے سے یہ کام ابھی اپنی تکمیل کو نہیں پہنچ سکا، قارئین سے ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں، ان شاء اللہ جلد ہی اس بحث کو مکمل کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا، آپ انتظار کریں۔ جزاکم اللہ خیرا

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

سائل مسئول کی ذمہ داریاں اور موجودہ صورت حال

حافظ خلیل الرحمن عبدالستار سنابلی

کہتے ہیں کہ اگر علم ایک خزانہ ہے تو اس کی کنجی سوال اور استفسار ہے، بات بھی بالکل برحق ہے کیونکہ سوال و جواب سے انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے خدشات اور اشکالات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، قرآن و حدیث میں بھی سوال و جواب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، چنانچہ اللہ نے سورۃ الانبیاء اور سورۃ النحل میں ہم اور آپ کو نہ جاننے کی صورت میں جاننے والوں سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے: ”فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (النحل: ۴۳، الانبیاء: ۷) تو تم جاننے والوں سے پوچھ لو اگر تم نہ جانتے ہو۔ اسی طرح سے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام بھی آپس میں سوال و جواب کیا کرتے تھے۔ غرض یہ کہ سوال و جواب کی اہمیت و افادیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس کے کچھ حدود و قیود اور اصول بھی ہیں، سائل کے سوالات کیسے ہوں، کس طرح کے ہوں، اسی طرح مسئول ایسا ہو کہ واقعی اس کے پاس علم ہو اور وہ جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، آئیے اس حوالے سے چند چیزیں دیکھ لیتے ہیں:

سائل کی ذمہ داریاں:

۱۔ قرآن نے لایعنی، بغو، اور عبث سوالات کرنے سے منع کیا ہے لہذا سائل ایسے سوالات سے پرہیز کرے، ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ جاننا ہے کہ کون سا جانور حلال ہے اور کون سا حرام؟ میں نے تو پہلے بغور ان کو سراپا دیکھا، ان کی معصومیت کو محسوس کیا اور بڑی محبت سے ان کے سوال کو انہی کی طرف پھیرتا ہوا گویا ہوا کہ حضور! آپ مجھے جانوروں کی فہرست تہمادیں پھر میں آپ کو تفصیل سے بتا دوں گا کہ کون سا جانور حلال ہے اور کون سا جانور حرام۔ دیکھیں یہ سوال لایعنی ہی تو ہے کہ آپ کسی کے پاس جائیں اور اس سے پوچھ بیٹھیں کہ کون سا جانور حلال ہے اور کون سا حرام، حالانکہ نہ آپ جانوروں کی خرید و فروخت کا کام کرتے ہیں، نہ ہی آپ قصائی ہیں کہ آپ جانوروں کا گوشت فروخت کرتے ہوں اور نہ ہی آپ سارے جانوروں کو جانتے اور پہچانتے ہیں پھر یہ سوال چہ معنی دارد؟

۲۔ نبی اکرم ﷺ نے کثرت سوال سے منع کیا ہے لہذا سائل کثرت سوال سے اجتناب کرے۔

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ جب کسی بات کے تعلق سے وہ سوال کرتے تھے تو جواب مل جانے کے بعد دوسرا سوال کرنے سے پہلے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

۴۔ اسی طرح سے سائل امتحان لینے اور مسئول کو پرکھنے کی غرض سے سوال نہ کرے۔

۵۔ سائل اپنے سوال کو مکمل تفصیل اور پوری وضاحت کے ساتھ مسئول کے سامنے پیش کرے تاکہ مسئول کو سائل کے حالات اور اس کے مسائل سمجھنے میں کسی طرح کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

مسئول کی ذمہ داریاں:

۱۔ مسئول مسئلہ کے بارے میں علم ہونے کے بعد ہی اپنی زبان کو حرکت دے، بصورت دیگر اللہ اعلم، لا اعلم یا لا ادری کہہ دے۔

۲۔ سوال کا جواب اگر تفصیل طلب ہے تو تفصیل سے جواب دے ورنہ اختصار کو پیش نظر رکھے۔

۳۔ سائل کے حالات کو سامنے رکھ کر شریعت کے مطابق اس کا جواب دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

۴۔ سائل کے اشکالات کو سننے کے بعد مسئول جواب دیتے وقت اخلاق اور شریفانہ لب و لہجہ کو مد نظر رکھے۔

موجودہ صورت حال:

۱۔ سائل کے سوالات کی ایک بڑی تعداد لایعنی اور عبث ہوتی ہے۔

۲۔ مسئول کا امتحان مقصود ہوتا ہے، ایک سے پوچھنے اور درست جواب مل جانے کے باوجود دوسرے کے پاس بھی اسی سوال کو رکھا جاتا ہے اور یہاں مقصود پہلے کے علم کو چیک کرنا ہوتا ہے۔

۳۔ عمل کو ایک طرف رکھ کر یہ قوم کثرت سوال میں بھی ماہر ہو چکی ہے۔

۴۔ ایسے ایسے لوگ بھی علامہ، مفتی اور مسئول ہو گئے ہیں کہ جو قرآن وحدیث کی عبارتیں بھی ڈھنگ سے پڑھ نہیں سکتے۔

۵۔ علم نہ ہونے کے باوجود کسی طرح سے گھما پھرا کر سائل کو خاموش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۶۔ واللہ اعلم، لا ادری اور لا اعلم کا چلن بھی کم ہو گیا ہے۔

۷۔ مسئولین کی ایک بڑی تعداد یہاں ایسی بھی آباد ہے کہ جن کے یہاں سوال کرنا گستاخی اور بے ادبی تصور کی جاتی ہے اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ بس جو ہم نے کہا وہی مان لو، وہی سچ ہے۔

ایک طرف تو یہ حال ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث اور مرجع خلاق چالیس سوالات میں سے چھتیس کے جواب میں لا اعلم کہہ کر اپنی کم علمی بیان کرتے ہیں حالانکہ وہ ذی علم تھے لیکن ہمارے یہاں ایک کم علم شخص اپنے آپ کو ذی علم سمجھ کر نفس مسئلہ کے بارے میں نہ جانتے ہوئے بھی جواب دینا ضروری سمجھتا ہے، مبادا اللہ اعلم کہہ دوں گا تو میری پول کھل جائے گی اور لوگوں کو حقیقت معلوم ہو جائے گی، ایسے لوگ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور عوام کو بھی گمراہ کرنے کا کام انجام دیتے ہیں، یاد رکھیں کہ بنا علم کے جواب دینا ایک جرم ہے جو اللہ کے یہاں قابل گرفت ہے لہذا اپنے آپ کو اس سے باز رکھیں۔

آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ کا صحیح معنی و مفہوم اور اعرابی والی روایت کا علمی جائزہ
(دوسری اور آخری قسط)

درفاروق عبداللہ نراین پوری

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی یہ آیت تھی جس سے ہمارے برادران مذکورہ استدلال کرتے ہیں، انہیں بھی اس آیت کا علم تھا جس میں گنہگاروں کے حق میں آپ ﷺ کے استغفار کا اللہ رب العزت نے ذکر کیا ہے۔ بلکہ صرف یہی آیت کیوں دوسری آیات بھی تھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین و مؤمنات کے حق میں آپ ﷺ کو استغفار کا حکم دیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ (سورہ محمد: ۱۹)

”اے نبی آپ اپنے گناہ اور مؤمنین و مؤمنات کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں“

اسی طرح سورہ آل عمران (آیت: ۱۵۹) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ ”انہیں معاف کر دیں اور ان کے لئے استغفار کریں“

اسی طرح سورہ ممتحنہ (آیت: ۱۲) میں ہے:

﴿فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ﴾ ”ان عورتوں سے بیعت لیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار

کریں“

بلکہ ان کے سامنے تو قرآن کریم میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا اپنے والد یعقوب علیہ السلام کے پاس جا کر استغفار طلب کرنے اور یعقوب علیہ السلام کا ان کے لئے استغفار کرنے کا قصہ بھی موجود تھا۔ سورہ یوسف پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ. قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾

(سورہ یوسف: ۹۷-۹۸) ”انہوں نے کہا اے ہمارے والد آپ ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کریں،

ہم گنہگار ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: عنقریب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں

گا، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے“

لیکن یہ تمام آیتیں ان کے سامنے رہنے کے باوجود صحابہ کرام نے یہ نہیں سمجھا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر کے پاس آکر گناہوں سے استغفار کرنا یا آپ ﷺ سے استغفار طلب کرنا جائز ہے۔ جو آپ کی زندگی میں یہ کام کر سکتے تھے بلکہ کیا کرتے تھے آخر کون سی چیز ان کے لئے مانع تھی کہ آپ کی وفات کے بعد انہوں نے کبھی بھی اس کے لئے ذرہ برابر کوشش نہ کی۔

اس لئے جو لوگ اس سے مذکورہ استدلال کرتے ہیں ان کا یہ فہم صحابہ، تابعین، تبع تابعین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین کے متفقہ فہم کے خلاف ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور ایسا فہم قطعاً قابل قبول نہیں ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بعض لوگ اس آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب ہم آپ کی وفات کے بعد آپ سے استغفار طلب کرتے ہیں تو ہم ان صحابہ کرام کے درجہ میں ہوتے ہیں جو آپ سے استغفار طلب کرتے تھے، اور اس طرح وہ صحابہ، تابعین اور تمام مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد نہ شفاعت طلب کی تھی اور نہ کوئی دوسری چیز۔ اور نہ ہی ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اسے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے“ (قاعدة جلیلہ فی التوسل والوسیلہ (ص: ۲۴)

اور علامہ ابن عبدالبہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولم يفهم منها أحد من السلف والخلف إلا المجيء إليه في حياته ليستغفر لهم“ (الصارم المنكي في الرد على السبكي: ص: ۳۱۷)

”سلف وخلف میں سے کسی نے بھی اس آیت سے سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھا کہ اس میں آپ کی زندگی میں آپ کے پاس آنے کی بات کی گئی ہے تاکہ آپ ان کے لئے استغفار کریں“

۲۔ آیت میں مذکورہ حکم آپ ﷺ کی زندگی میں تھا، کیونکہ اس میں ماضی کی خبر دی گئی ہے، مستقبل کی نہیں۔

اس کی دلیل ”اذ ظلموا“ کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ ”اذ“ کہا ہے، ”اذ“ نہیں۔ اور عربی زبان میں ”اذ“ سے ماضی کی خبر دی جاتی ہے، مستقبل کی نہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قوله تعالى: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا اللَّهُ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ ”فہذا فی حیاتہ، فلیس فیہا دلیل علی طلب الاستغفار منہ بعد موتہ؛ فإن اللہ قال: ﴿إِذَا ظَلَمُوا﴾ ولم یقل: إِذَا ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ، (وَإِذَا) ظرف للماضي لا للمستقبل، فهي في قوم كانوا في عهد النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فلا تكون لمن بعده“ (مجموع فتاوی و رسائل العثیمین: ۱۷/۳۰۰)

”(آیت - میں مذکورہ حکم - یہ آپ ﷺ کی زندگی سے متعلق ہے۔ اس میں آپ کی وفات کے بعد آپ سے استغفار طلب کرنے کی دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ”اذ ظلموا“ کہا ہے، ”اذا ظلموا أنفسهم“ نہیں کہا ہے۔ اور ”اذ“ ماضی میں ظرف کا معنی دیتا ہے، مستقبل میں نہیں۔ اس میں ایک ایسی قوم کی بات کی گئی ہے جو آپ ﷺ کی زندگی میں تھی، لہذا یہ آیت آپ کی وفات کے بعد کے لئے نہیں ہوگی“ اور یہی بات شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے بھی ایک شخص پر رد کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ دیکھیں:

(حجۃ النبی ﷺ تاریخھا و احکامھا العبد الرحمن بن سعد الشری، ص: ۳۳۹)

۳۔ یہ آیت منافقین کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

شیخ محمد خلیل ہر اس رحمہ اللہ محمد حسنین مخلوف پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ہم کہیں گے کہ قبوریوں کی ”اس آیت سے قبور والوں سے وسیلہ کے جواز پر استدلال کرنے“ سے بڑی جہالت اور گمراہی کی دوسری دلیل نہیں ہو سکتی۔

یہ آیت مفسرین کے اجماع کے مطابق منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنے قضیہ کا فیصل بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ دیکھیں: (حجۃ النبی ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخھا و احکامھا العبد الرحمن بن سعد الشری، ص: ۳۴۰)

۴۔ آیت کا سیاق بالکل واضح ہے کہ اس میں منافقین کی بات کی گئی ہے۔

یہ سورہ نساء کی ۶۴ نمبر آیت ہے۔ اس کے صحیح معنی و مفہوم کو جاننے کے لئے آیت نمبر ۶۰ سے ۱ سے پورا پڑھنا اور نظر کے سامنے رکھنا ضروری ہے۔

اس میں منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ یہ گمان اور دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ اور

آپ سے پہلے آنے والے انبیاء پر نازل کردہ کتب پر ایمان لائے ہیں لیکن جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا ہے تو آپ کو چھوڑ کر طاغوت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہیں اپنا فیصلہ بناتے ہیں۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آؤ تو یہ منافقین آپ سے اعراض کرنے لگتے ہیں۔ لہذا یہ سیاق بالکل واضح ہے کہ اس میں منافقین کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ اگر یہ منافقین طاغوت کو اپنا فیصلہ بنانے والے جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد آپ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں، اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

اس لئے اس سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا درست نہیں کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر کے پاس جا کر یہ درخواست کی جاسکتی ہے۔

آیت میں آپ ﷺ کے پاس آنے کی بات کی گئی ہے، آپ کی قبر کے پاس آنے کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ”جاءوک“ کہا ہے، ”جاءوالی قبرک“ نہیں ہے۔

اور آپ کی وفات کے بعد کسی کے لئے آپ کے پاس آنا ممکن نہیں ہے۔ اگر وفات کے بعد کوئی کسی کی قبر کے پاس جائے تو وہ یہ نہیں کہتا کہ میں فلاں کے پاس گیا تھا بلکہ یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کی قبر کے پاس گیا تھا۔ وفات کے بعد کسی کی قبر پر جانے کو نہ لفتہ، نہ عرفاء، اور نہ شرعاً ان کے پاس جانا کہتے ہیں، بلکہ ایسے موقع پر قبر پر جانا کہا جاتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (صیانة الانسان عن وسوسة الشیخ دحلان للشیخ العلامة محمد بشیر السہسوانی الہندی، ص: ۲۹-۳۱)

۶۔ آیت میں صرف آنے اور آکر استغفار کرنے کی بات نہیں کی گئی بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ان کے لئے استغفار کرنے کی بات کی گئی ہے۔

آیت میں ہے: ”واستغفر لهم الرسول“ اور یہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی صرف ممکن تھا، آپ کی وفات کے بعد یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کسی کے لئے استغفار کریں۔ کیونکہ استغفار ایک ایسا عمل ہے جو میت نہیں کر سکتی یا جس کی دلیل قرآن و سنت میں نہیں۔

جہاں تک میت کے لئے بعض اعمال کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً فرشتوں کے سوالوں کا جواب دینا، یا انبیاء کے متعلق آیا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

۱۔ میت کے لئے اصل یہ ہے کہ ان کے لئے کسی عمل کا کرنا ممکن نہیں۔

”إذامات الإنسان انقطع عنه عمله“ ”جب کسی انسان کی موت ہوتی ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے“ (صحیح مسلم: ۱۶۳۱)

اس سے صرف وہی چیز مستثنیٰ ہوگی جس کا کتاب و سنت میں استثناء کیا گیا ہے۔ اور انبیاء کا دوسروں کے حق میں استغفار کرنے کو کسی بھی نص میں استثناء نہیں کیا گیا۔

۲۔ جن اعمال کا تذکرہ ملتا ہے ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن ان کی کیفیت کے متعلق ہم کچھ بیان نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام کی زندگی برزخی زندگی ہے اس لئے ان اعمال کو دنیاوی اعمال پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

در اصل قبر میں انبیاء کرام کی نماز پڑھنے والی حدیث مغیبات (یعنی جن کا تعلق غیب سے ہے مثلاً قیامت کی خبریں، جنت و جہنم کے حالات، قبر کے حالات وغیرہ) میں سے ہے۔ اور مغیبات کا علم انسان کے پاس نہیں ہے، ہم اتنا ہی ان مغیبات کے متعلق کہہ سکتے ہیں جتنا کتاب و سنت میں وارد ہے۔ اس لئے اس نماز کی کسی بھی طرح کی کسی کیفیت کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ اور دنیاوی زندگی پر قیاس کرنا تو بالکل قرین قیاس نہیں۔

اعرابی والی حدیث کا جائزہ:

جہاں تک اعرابی والی حدیث کو بطور دلیل پیش کرنے کی بات ہے تو وہ دلیل بننے کے قابل ہی نہیں، کیونکہ وہ ایک من گھڑت اور جعلی روایت ہے۔

اسے امام بیہقی نے شعب الایمان (۶۰/۶، ج: ۳۸۸۰) میں درج ذیل سند سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

”أخبرنا أبو علي الروذباري، حدثنا عمرو بن محمد بن عمرو بن الحسين بن بقیة، إملاء، حدثنا شکر الہروی، حدثنا یزید الرقاشی، عن محمد بن روح بن یزید البصري، حدثني أبو حرب الهلالي“

اس سند کے متعلق علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”امام بیہقی نے ایک تاریک سند سے اسے

شعب الایمان میں ”عن محمد بن روح بن یزید بن البصري، حدثني أبو حرب الهلالي“ کے طریق سے

ذکر کیا ہے“۔ (الصارم المنکی، ص: ۲۵۳)

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”هذا إسناد ضعيف مظلم“ (السلسله الصحيحه: ۶/۲۷۷) نیز اسے ابن عساکر نے اپنے معجم الشيوخ (۱/۵۹۹-۶۰۰) میں عبد الغالب بن ثابت بن ماہان ابونصر الرافقی سے روایت کیا ہے، وہ (عبد الغالب) کہتے ہیں کہ مجھے میرے استاد ابن طوق نے عتبی کی یہ روایت ایک ایسی سند سے بیان کی تھی جسے میں بھول چکا ہوں۔ پھر اس روایت کو ذکر کرتے ہیں۔ یہ سند اس سے بھی زیادہ تاریک ہے کیونکہ اس میں روایت کرنے والوں کے نام تک کا ذکر نہیں ہے۔ معلقاً یا بلا سند اسے اور بھی دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے جن میں سب سے قابل ذکر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ہیں۔

علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ ان حکایات کے متعلق فرماتے ہیں: ”اس حکایت کو بعض علماء نے عتبی سے بلا سند ذکر کیا ہے، اور بعض محمد بن حرب الہلالی سے، اور بعض نے محمد بن حرب عن ابی الحسن الزعفرانی عن الاعرابی کے طریق سے روایت کی ہے“ (الصارم المنکی، ص: ۲۵۳) نیز فرماتے ہیں: ”بعض جھوٹوں نے اس کے لئے علی بن ابی طالب تک اس کے لئے ایک سند گھڑی ہے جیسا کہ اس کا ذکر آ رہا ہے۔

”خلاصہ کلام یہ کہ اعرابی کی یہ روایت ایسی نہیں جس سے حجت قائم ہو سکے۔ اس کی سند تاریک و من گھڑت ہے۔ اور اس کے الفاظ بھی من گھڑت ہیں“ (الصارم المنکی، ص: ۲۵۳) اور ایک جگہ فرماتے ہیں: ”یہ خبر یعنی حدیث منکر و من گھڑت ہے، اور یہ اثر من گھڑت و بناؤٹی ہے، نہ اس پر اعتماد کرنا درست ہے اور نہ اس کی طرف رجوع کرنا، اور اس کی سند تو گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے“ (الصارم المنکی، ص: ۳۲۱)

لہذا اس من گھڑت روایت سے استدلال کرتے ہوئے اسے جائز ٹھہرانا قطعاً جائز نہیں۔ جہاں تک حافظ ابن کثیر یا دیگر علماء اہل سنت کا اسے بیان کرنا ہے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ اسے صحیح کہہ رہے ہوں۔ علماء اہل سنت نے ضعیف اور موضوع روایتوں کو اپنی کتابوں میں مختلف اسباب کی بنا پر ذکر کیا ہے جسے میں نے اپنے رسالہ ”کشف الاسرار عما یورد المحدثون فی کتبہم من ضعاف الاخبار“ (یعنی کتب حدیث میں ضعیف احادیث کیوں؟) میں بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی مان لی جائے پھر بھی اس میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ قبر رسول کے

پاس آکر آپ ﷺ سے استغفار یا کوئی دوسری چیز طلب کرنی جائز ہے۔ کیونکہ اس روایت میں اعرابی کا اپنا عمل مذکور ہے جو کہ کتاب و سنت کے دوسرے بے شمار دلائل کے برخلاف ہے۔ اور کتاب و سنت کے مقابل میں کسی کا بھی کوئی قول یا عمل ہمارے لئے حجت نہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ بظاہر وہ صحابی تھے، اور کسی صحابی سے یہ ممکن نہیں کہ ان سے توحید و شرک کے مسئلہ میں غلطی سرزد ہو جائے۔ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ان کا صحابی ہونا اولاً متعین نہیں ہے۔ ثانیاً اگر کتاب و سنت سے ثابت ہو جائے کہ لاعلمی میں ان سے جو عمل صادر ہوا ہے وہ شرک ہے تو ان کا وہ عمل امت کے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔ اور لاعلمی میں ایسا بعض صحابہ کرام سے ہوا ہے۔ مثلاً بعض صحابہ کرام کا آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کا مطالبہ کرنا، یا ذات انواط کا مطالبہ کرنا یہ شرعی دلائل کی بنیاد پر شرکیہ عمل ہے۔ جب ان صحابہ کرام نے یہ مطالبہ کیا تھا تو انہیں اس کا علم نہیں تھا لیکن جب آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا تو وہ اس سے رک گئے۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھیں: (ہذہ مفاہیمنا للشیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ، ص: ۸۱)

لہذا اس اعرابی کا وہ عمل اگر کتاب و سنت کے خلاف ہے تو وہ قابل حجت نہیں۔

دوسری بات: اس اعرابی نے آپ ﷺ سے استغفار کی درخواست نہیں کی تھی یا کوئی دوسری چیز طلب نہیں کی تھی۔ اس لئے اس سے یہ استدلال کرنا ہی بے جا ہے۔

تیسری بات: اس روایت میں خواب کی جو بات کی گئی ہے کہ عتی نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ اس اعرابی سے ملو اور انہیں مغفرت کی خوشخبری سنا دو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خواب کی بنیاد پر کوئی شرعی حکم ثابت ہی نہیں ہوتا۔ شرعی احکامات کے استنباط کا مصدر فقط رب کی کتاب اور نبی کی سنت ہے۔

چوتھی بات: ان کی بخشش ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قبر رسول کے پاس آکر استغفار کرنے کی وجہ سے ان کی بخشش ہوئی تھی، بلکہ اس کے لئے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

پانچویں بات: حاجت پوری ہو جانا یا من چاہا نتیجہ برآمد ہونا کسی چیز کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ اگر نتیجہ کی بنیاد پر شرعی مسائل میں حق یا ناحق ہونے کا فیصلہ ہونے لگے تو بہت سارے ایسے کفار بھی مل جائیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں بابا کے پاس فلاں عمل کرنے کی وجہ سے میری فلاں مراد پوری ہوئی۔ اس لئے شرعی مسائل میں تجربہ اور نتیجہ کی بنیاد پر صحیح یا غلط کا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ دلائل کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”انہوں نے اس حکایت سے احتجاج کیا ہے جس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا، خصوصاً اس طرح کے معاملے میں جو کہ اگر مشروع یا مندوب ہوتا تو صحابہ اور تابعین کو اس کی زیادہ جانکاری ہوتی، وہ اس پر زیادہ عمل کرنے والے ہوتے، بلکہ اعرابی اور ان کی طرح کے لوگوں کی حاجت پوری ہونے کے دوسرے اسباب ہیں جو کہ دوسری جگہ بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں۔ اور اگر کسی سبب سے کسی کی کوئی حاجت پوری ہو جاتی ہے تو وہ سبب مشروع اور مأثور بہ نہیں ہو جائے گا۔ آپ ﷺ سے آپ کی زندگی میں کچھ مانگا جاتا تو آپ دے دیتے، مانگنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے۔ حالانکہ سائل کے لئے مانگنا حرام تھا“ (اقتضاء الصراط المستقیم: ۲/۲۸۹-۲۹۰)

یہ تمام باتیں بالفرض اس روایت کو صحیح ماننے کی صورت میں ہیں۔ لیکن جیسے کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ یہ روایت ثابت ہی نہیں ہے، یہ ایک من گھڑت اور جعلی روایت ہے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایسے حضرات عقیدے کے باب میں صحیح سے صحیح ترین حدیث کو خبر واحد کہہ کر رد کرنے میں نہیں ہچکچاتے لیکن اپنے مطلب کی دلیل سادھنے کے لئے منکر اور موضوع روایات سے بھی استدلال کرنے سے نہیں چوکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں ہدایت دے۔

لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم نصوص کتاب و سنت کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھیں، اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں کتاب و سنت کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(شخصیت شکن تعلقات کو ڈسٹ بن میں ڈالئے)

”تعلقات کی حفاظت کیجیے، رشتوں کو مضبوط بنائیے، رشتوں کی حفاظت کے لیے ایسے سمجھوتوں سے مت گھبرائیے جو آپ کی بنیادی شخصیت کو کمزور کرنے والے نہ ہوں، لیکن اگر تعلقات آپ کی بنیادی شخصیت کو کمزور بنانے کا سبب بن رہے ہوں تو آپ کو اتنی جرأت پیدا کر لینی چاہیے کہ آپ ایسے لوگوں کو اپنی زندگی سے دودھ میں پڑی مکھی کی مانند باہر پھینک سکیں کیوں کہ آپ کی شخصیت اگر باقی رہی تو تعلقات کے راستے کھلے رہیں گے جب کہ شخصیت ختم ہوگئی تو ختم ہوگئی اور بس!!“ (شاء اللہ صادق تہی)

بیماری اسلام کی نظر میں

(پہلی قسط)

رضوان اللہ عبد الرؤف سراجی

محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں جن جن مقاصد کے تحت پیدا کیا ہے ان میں سے ایک مقصد ہمارا امتحان بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تَبَرَّكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ، وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾ ”بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے، اور ہر چیز پر قادر ہے، جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے کام کون کرتا ہے، اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے“ (الملک: ۱-۲)

اور اللہ تعالیٰ ہمارا امتحان کئی طرح سے لیتا ہے جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ ”اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے“ (البقرة: ۱۵۵)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”وَقَدْ حَكِيَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْخَوْفِ هَاهُنَا: خَوْفُ اللَّهِ، وَالْجُوعُ: صِيَامُ رَمَضَانَ، وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ: الزَّكَاةُ، وَالْأَنْفُسِ: الْأَمْْرَاضُ، وَالثَّمَرَاتِ: الْأَوْلَادُ“۔ مفسرین میں سے بعض نے بیان کیا ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ میں ”الْخَوْفُ“ سے خوف الہی ”الْجُوعُ“ سے رمضان کے روزے ”نَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ“ سے زکوٰۃ ”الْأَنْفُسِ“ سے امراض اور ”الثَّمَرَاتِ“ سے مراد اولاد ہیں۔ دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں)

پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جن جن چیزوں سے آزماتا ہے ان میں سے ایک بیماریاں بھی ہیں، بسا اوقات اللہ تعالیٰ ہمیں بیماری دے کر بھی آزماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں کامیابی کا نسخہ کیا ہے؟ اس سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرما دیا ہے کہ ایک انسان کو جب کوئی مصیبت پہونچے، کوئی بیماری اسے پکڑے تو وہ صبر سے کام لے۔

ان پر افسوس ہے جو بیماریوں میں اپنے زبان سے اول قول اور کبواں بکتے ہیں، بیماریوں کے تعلق

سے برے جملے ادا کرتے ہیں حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس سے منع کیا ہے جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ السَّائِبِ أَوْ أُمِّ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ مَا لَكَ يَا أُمُّ السَّائِبِ أَوْ يَا أُمُّ الْمُسَيَّبِ تُزْفِرِينَ قَالَتْ الْخُمَى لَا بَارَكَ اللَّهُ فِيهَا فَقَالَ لَا تَسْبِي الْخُمَى فَإِنَّهَا تَذْهَبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ كَمَا يَذْهَبُ الْكَبِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ“ ”رسول اللہ ﷺ ام سائب یا ام مسیب کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا اے ام سائب یا اے ام مسیب تمہیں کیا ہوا؟ تم کانپ رہی ہو، انہوں نے عرض کیا بخار ہے، اللہ اس میں برکت نہ دے تو آپ ﷺ نے فرمایا بخار کو برا نہ کہو، کیونکہ بخار بنی آدم کے گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کا میل پکیل دور کرتی ہے۔“ (مسلم: ۶۵۷۰)

اول فول کا بکنا تو درکنار کتنے لوگ ایسے ہیں جو بیماریوں کی ناقابل برداشت تکلیف سے تگ آ کر موت کی تمنا کرنے میں بھی جھجک محسوس نہیں کرتے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ مِنْ ضَرٍّ أَصَابَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بَدَ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ أَخْبِنِي مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي“ ”تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا اس مصیبت کی وجہ سے نہ کرے، جو اسے پہنچی ہے اور اگر ایسا کرنا ضروری ہی سمجھے تو یہ کہے کہ اے اللہ! جب تک میرا زندہ رہنا میرے لئے بہتر ہے، اس وقت تک ہمیں زندہ رکھ اور اگر مرجانا میرے لئے بہتر ہے تو مجھے موت دے“ (صحیح بخاری: ۵۶۷۱، صحیح مسلم: ۶۸۱۶)

ایک دوسری روایت میں حضرت قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ:

”دَخَلْنَا عَلَى خَبَابٍ نَعُوذُ بِهِ وَقَدْ اكْتَوَى سَبْعَ كَيَاتٍ فَقَالَ إِنَّ أَصْحَابَنَا الَّذِينَ سَلَفُوا مَضَوْا وَلَمْ تَنْقُصْهُمْ الدُّنْيَا وَإِنَّا أَصْبَنَّا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ وَلَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَنْ نَدْعُو بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ ثُمَّ أَتَيْنَاهُ مَرَّةً أُخْرَى وَهُوَ يَنْبِي حَائِطًا لَهُ فَقَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَيُؤْجَزُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يَنْفِقُهُ إِلَّا فِي شَيْءٍ يَجْعَلُهُ فِي هَذَا التُّرَابِ“ ”ہم خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کو گئے، انہوں نے اپنے بدن پر سات جگہ داغ لگوائے تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھی گزر گئے، دنیا نے ان کے عمل میں کوئی کمی نہیں کی اور میرے پاس اتنا مال ہے کہ اس کو رکھنے کے لئے مٹی کے سوا کوئی اور جگہ نہیں پاتا اور اگر نبی ﷺ ہمیں موت کی تمنا

کرنے سے منع نہ فرماتے تو میں اس کی دعا کرتا، پھر میں ان کے پاس دوسری بار آیا، لیکن اس حال میں کہ اپنے باغ کی دیوار بنا رہے تھے، تو انہوں نے کہا کہ مسلمان کو ہر اس چیز میں اجر ملتا ہے جس کو وہ خرچ کرے، سوائے اس چیز کے جس کو اس مٹی میں ڈال دے، (صحیح بخاری: ۵۶۷۲، صحیح مسلم: ۶۸۱۰) ایک اور جگہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

”لَنْ يَدْخُلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَلَا يَمْتَنِينَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّه أَنْ يَزِدَّادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّه أَنْ يَسْتَعْتِبَ“ ”کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا، لوگوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کو بھی نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت (کے دامن) میں ڈھانپ لے اس لئے تم میانہ روی اختیار کرو اور اللہ کا قرب طلب کرو اور تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے (اس لئے کہ) یا تو نیکو کار ہوگا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیکی میں اضافہ کرے اور اگر بدکار ہے تو امید ہے کہ وہ توبہ کر لے“ (صحیح بخاری: ۵۶۷۳)

یہ رہا پہلا نسخہ کہ ایک انسان بیماری میں صبر سے کام لے کیوں کہ اس کے علاوہ بیمار شخص اللہ تعالیٰ سے شفا یابی کی دعا کرے، خصوصاً وہ دعائیں پڑھے جو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے دونوں نے گواہی دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ صَدَقَهُ رَبُّهُ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَأَنَا أَكْبَرُ وَإِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَدَهُ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَخَدِي وَإِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ قَالَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَخَدِي لَا شَرِيكَ لِي وَإِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ قَالَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا لِي الْمُلْكُ وَلِي الْحَمْدُ وَإِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِي وَكَانَ يَقُولُ مَنْ قَالَهَا فِي مَرَضِهِ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمَهُ النَّارُ“ ”جو شخص لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں سب سے بڑا ہوں اور جو شخص لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَدَهُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں اکیلا ہوں، اور جو شخص لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اکیلا ہوں میرا کوئی شریک نہیں، جب بندہ کہتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں بادشاہی اور تعریف میرے لئے

ہے، جب بندہ کہتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے علاوہ کوئی معبود نہیں اور گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت صرف میری ہی طرف سے ہے، نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بیماری میں یہ کلمات پڑھے اور پھر مرجائے تو اسے آگ نہیں کھائے گی۔“ (سنن الترمذی: ۳۴۹۰)

مذکورہ بالا روایتوں کا نچوڑ یہ نکلا کہ بیماریوں میں اول فول بکنا یا بیماریوں کو برا کہنا یا موت کی تمنا کرنا ممنوع اور حرام ہے، ہر انسان کو اس سے بچنا چاہئے، ہمیں جب بخار ہو یا کوئی اور بیماری ہو تو اول فول اور بکواس نہ بکیں، اپنے زبان سے برے کلمات نہ نکالیں بلکہ صبر و ضبط سے کام لیں، اور اللہ تعالیٰ سے شفا یا بی کی دعا کریں کیوں کہ بیماریوں کا فائدہ ہے، یہ بیماریاں ہمارے لئے زحمت نہیں بلکہ رحمت ہیں جیسا کہ رسول گرامی ﷺ کے بے شمار فرامین اس پر دلالت کرتے ہیں، چند کا تذکرہ مندرجہ ذیل سطور میں آرہا ہے۔

بیماریاں جنت میں جانے کا وسیلہ ہیں: ایک عورت مرگی جیسے خطرناک مرض کا شکار تھی لیکن اسے اللہ کے رسول ﷺ نے صبر کی تلقین کرتے ہوئے جنت کی خوشخبری دی جیسا کہ حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا:

”أَلَا أُرِيكَ أَمْرًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَى قَالَ هَذِهِ الْمَرْأَةُ السُّودَاءُ أَتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ إِنِّي أَضْرَعُ وَإِنِّي أَتَكْشِفُ فَأَذْغِ اللَّهُ لِي قَالَ إِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيكَ قَالَتْ أَصْبِرُ قَالَتْ فَإِنِّي أَتَكْشِفُ فَأَذْغِ اللَّهُ أَنْ لَا أَتَكْشِفُ فَدَعَا لَهَا“ ”کیا میں تجھے ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں، میں نے عرض کیا کیوں نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ سیاہ فام عورت نبی ﷺ کی خدمت میں آئی اور اس نے عرض کیا مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے آپ ﷺ میرے لئے اللہ سے دعا فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے تو صبر کر تیرے لئے جنت ہے اور اگر تو چاہے تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تجھے صحت و عافیت دے دے وہ عورت کہنے لگی کہ میں صبر کروں گی لیکن میرا ستر کھل جاتا ہے تو آپ ﷺ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میرا ستر نہ کھلے تو آپ نے اس عورت کے لئے دعا فرمائی“ (صحیح مسلم: ۲۵۷۱)

معلوم ہوا کہ بیماریاں جنت میں جانے کا ذریعہ ہیں بشرطیکہ انسان اول فول اور بکواس نہ بکے بلکہ بیماریوں میں صبر سے کام لے، اللہ سے نیک امید کا پاسدار ہو۔

بیماریاں گناہوں کا کفارہ ہیں: ایک انسان جب بیمار ہوتا ہے تو اس بیماری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے

گناہ مٹاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

”أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ وَهُوَ يُوْعَكُ وَغَكَّا شَدِيدًا وَقُلْتُ إِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَغَكَّا شَدِيدًا قُلْتُ إِنَّ ذَاكَ بِأَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ قَالَ أَجَلَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذَى إِلَّا حَاتَّ اللَّهُ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ“ ”میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ بہت تیز بخار میں تھے، میں نے عرض کیا آپ کو بہت تیز بخار ہے، پھر میں نے عرض کیا شاید اس کی وجہ سے آپ کو دو ہزار اجر ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، کسی مسلمان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو یوں جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں“ (صحیح بخاری: ۵۶۲۸، صحیح مسلم: ۶۵۵۹)

ایک دوسری جگہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”مَا مِنْ مُصِيبَةٍ تُصِيبُ الْمُسْلِمَ إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا عَنْهُ حَتَّى الشُّوْكَةَ يَشَاكُهَا“ ”کوئی مصیبت بھی مسلمان کو نہیں پہنچتی، مگر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ کاٹا بھی جو اس کے جسم میں چبھے“ (صحیح بخاری: ۵۶۲۰، صحیح مسلم: ۶۵۶۵)

اور ایک مقام پر حضرت ابوسعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشُّوْكَةَ يَشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ“ ”مسلمان کو کوئی رنج و غم و مصیبت نہیں پہنچتی یہاں تک کہ کوئی کاٹا اسے اگر چھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے“ (صحیح بخاری: ۵۶۲۱، صحیح مسلم: ۶۵۶۳)

بیماریاں نیکی کا ذریعہ ہیں: چونکہ ایک انسان جب بیمار ہوتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے گرچہ وہ پہلے ایسا نہ کیا ہو لیکن مصیبتوں میں ہر انسان کو اللہ یاد آتا ہے اور اسی کے زور پر وہ شخص زیادہ نہ سہی چند ہی دعائیں اپنے زبان سے ادا کر دیتا ہے جس کی بدولت وہ کچھ نیکیوں کا حق دار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَا مِنْ شَيْءٍ يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ حَتَّى الشُّوْكَةَ تُصِيبُهُ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِهَا حَسَنَةً أَوْ خَطِيئَةً“ ”کسی مومن آدمی کو جو کوئی بھی مصیبت پہنچتی ہے یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کاٹا بھی چھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے یا اس کا کوئی گناہ مٹا دیتا ہے“۔ (صحیح مسلم: ۶۵۶۷)

بیماری خیر کا ذریعہ ہے: بیماریوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ شخص من جانب اللہ خیر کا حق دار اور رحمت

اسبال ازار پر وضوء دہرانے کی حدیث ایک تحقیقی مطالعہ

رضاحسن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک روایت پیش کی جاتی ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ٹخنوں سے نیچے شلوار کو لٹکا کر نماز پڑھی تو نبی اکرم ﷺ نے اسے وضوء دہرانے کا حکم دیا اور کہا کہ مسبل کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

یہ روایت سنداً ضعیف اور متن کے اعتبار سے غریب و منکر ہے۔ اس کو جمہور محدثین وائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ البتہ بعض علماء نے ایک غلط فہمی کے سبب اس کی تصحیح کر دی ہے اور بعض معاصر محققین نے تحقیق حدیث میں غلط منہج کے سبب اس کی تصحیح یا تحسین کی ہے۔ لہذا اس مضمون میں ہم اس حدیث کی صحت کا جائزہ لیں گے اور بعض اشکالات و غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ العزیز۔

سند و متن حدیث:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا يونس بن محمد، قال: حدثنا أبان، وعبد الصمد قال: حدثنا هشام، عن يحيى، عن أبي جعفر، عن عطاء بن يسار: "عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال بينما رجل يصلي وهو مسبل إزاره إذ قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أذهب فتوضاً"، قال: فذهب فتوضاً، ثم جاء، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أذهب فتوضاً"، قال: فذهب فتوضاً، ثم جاء فقال: يا رسول الله؟ ما لك أمرته يتوضأ؟ ثم سكت قال: "إنه كان يصلي وهو مسبل إزاره وإن الله عز وجل لا يقبل صلاة عبد مسبل إزاره" ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "ایک آدمی تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جا کر دوبارہ وضوء کرو، دو مرتبہ یہ حکم دیا اور وہ ہر مرتبہ وضوء کر کے آگیا، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا بات ہے کہ پہلے آپ نے اسے وضوء کا حکم دیا پھر خاموش ہو گئے، نبی ﷺ نے فرمایا یہ تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ (مسند احمد: ۷/۲۳۲۱، ۱۶۶۲۸)

جبکہ امام ابوداؤد و بیہقی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا أبان، حدثنا يحيى، عن أبي جعفر، عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة، قال: ”بينما رجل يصلي مسبلاً إزاره....إلى: إن الله تعالى لا يقبل صلاة رجل مسبلاً إزاره“ (سنن أبي داؤد: ۲۳۸، ۴۰۸۶)

یہاں اس حدیث کو روایت کرنے والے صحابی کا نام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتایا گیا ہے۔ مزید، امام ابوبکر البراء رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا إبراهيم، قال: حدثنا موسى بن إسماعيل، قال: حدثنا أبان بن زيد، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي جعفر المدني، عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة، قال: بينما رجل يصلي مسبلاً إزاره....إلى: وإن الله تعالى لا يقبل صلاة رجل مسبلاً إزاره. (مسند البزار - البحر الزخار: ۸۷۶۲)

یہاں ابو جعفر کو مدنی کہا گیا ہے۔

امام ابو محمد الحارث اور امام احمد بن منیع رحمہما اللہ اپنی مسند میں یحییٰ بن ابی کثیر کی صراحت سماع کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَازُونَ، ثنا هِشَامُ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلٌ يُصَلِّي مُسْبِلًا إِرَارَهُ....إِلَى: وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ صَلَاةَ مُسْبِلٍ إِرَارَهُ فَلَمَّا رَفَعَ سَكَتَ عَنْهُ“ (مسند الحارث ۱۳۸) اور اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة: ۵۱۴/۴، نقلاً عن مسند احمد بن منيع - وهذا اللفظ احمد (۱۳۸)

یہاں یحییٰ بن ابی کثیر جو کہ مدلس ہیں انہوں نے ابو جعفر سے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ چنانچہ حدیث کی تخریج سے چند باتیں واضح ہو گئیں کہ:

۱۔ روایت کرنے والے صحابی کا نام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔

۲۔ ابو جعفر کوئی مدنی شخص ہے۔

۳۔ اور یحییٰ بن ابی کثیر نے تدلیس نہیں کی ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر کے طریق سے یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی درج ہے:

سنن الکبریٰ للنسائی (۹۶۲۳)، سنن الکبریٰ للبیہقی (۳۳۰۴)، اور شعب الایمان للبیہقی (۵۷۱۸)

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے ابو جعفر المدنی کے، اور اس کے تعیین میں محدثین کے درمیان اختلاف

پایا جاتا ہے۔

ابو جعفر المدنی کون ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ یہاں ابو جعفر المدنی سے کون مراد ہے؟

علماء کے اس بارے میں دو قول ملتے ہیں:

۱۔ محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، ابو جعفر المدنی الباقر

۲۔ ابو جعفر المؤذن الانصاری المدنی

تو یہاں ان میں سے کون مراد ہے؟ ایک ثقہ امام ہے اور دوسرا مجہول۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام ابن حبان، امام ابوبکر الباغندی، اور ابو مسلم الکجی وغیرہ نے ان دونوں میں تفریق نہیں کی ہے اور وہ انہیں ایک ہی شخص سمجھتے ہیں، جس کی تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ۔ اور ان کی دیکھا دیکھی میں بعض متاخرین نے یہاں ابو جعفر کو محمد الباقر سمجھ کر اس کی تصحیح کر دی ہے۔ جبکہ اصل میں یہ دو لوگ ہیں اور اس سند میں ابو جعفر سے مراد ابو جعفر المؤذن ہے، جس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

ابو جعفر المؤذن کے تعین اور تفریق کے دلائل:

یہاں پر ہم دو طرح کے دلائل ذکر کریں گے۔ ایک وہ جن سے ان دونوں کا دو الگ شخصیات ہونا ثابت ہو اور دوسرے وہ دلائل جن سے یہاں اس حدیث میں ابو جعفر سے مراد المؤذن ہونا ثابت ہو۔ پہلے ان دونوں کی تفریق کے دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”أبو جعفر المؤذن الأنصاري المدني مقبول من الثالثة ومن زعم أنه محمد ابن علي ابن الحسين فقد وهم“

ترجمہ: ”ابو جعفر المؤذن الانصاری المدنی دوسرے طبقے کا مقبول راوی ہے اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ محمد بن علی بن الحسین (الباقر) ہیں، اس نے غلطی کی ہے۔“ (تقریب: ۸۰۱۷)

ایک دوسری جگہ فرمایا: قُلْتُ: وَرَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ سَلِيمَانَ الْبَاغَنْدِيُّ، عَنْ أَبِي عَاصِمٍ، فَجَمَعَ بَيْنَ الْأَسْمِ وَالْكُنْيَةِ، قَالَ: ”عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ كَمَا قَالَ الدَّارِمِيُّ، وَمَنْ سَمَاهُ ظَنَّ أَنَّ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ“

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں: محمد بن سلیمان الباغندی نے ابو عاصم سے روایت کرتے ہوئے نام اور کنیت دونوں کو جمع کر دیا اور کہا: ابو جعفر محمد بن علی روایت کرتے ہیں۔۔۔، ظاہر وہی ہے جو دارمی نے کہا ہے (یعنی یہ کہ یہ ابو جعفر المؤمن ہے) اور جس نے بھی اس کا نام ذکر کیا ہے اس نے اس غلط فہمی میں کیا ہے کہ ابو جعفر سے مراد محمد بن علی بن الحسین بن علی (الباقر) ہے۔“ (الاربعة من عوالی المجیزین لابن حجر: ۱۰۱/۱)

دوسری:

محمد الباقر مؤذن نہیں تھے لہذا انہیں ابو جعفر المؤمن سے ملانا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ولیس هذا بمستقیم لأن محمد بن علی لم یکن مؤذناً“

ترجمہ: ”(ان دونوں کا ایک ہونا) درست نہیں ہے کیونکہ محمد بن علی مؤذن نہیں تھے“ (تہذیب التہذیب: ۵۵/۱۲) تیسری:

محمد الباقر کی ابو ہریرہ سے روایت مرسل ہے کیونکہ انہوں نے ابو ہریرہ کو نہیں پایا، جبکہ ابو جعفر المؤمن نے ابو ہریرہ سے کئی روایات میں سماع کی صراحت کی ہے، مثلاً:

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرِو، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ....“ (مسند احمد: ۱۰۷۷۱)

اور امام نسائی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مَسْعُودٍ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِذَا بَقِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ يَنْزِلُ اللَّهُ“ (سنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۲۳۷)

لہذا اگر یہ دونوں ایک شخصیت ہوتے تو محمد الباقر کا ابو ہریرہ سے کچھ بھی سنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”ولأن أبا جعفر هذا قد صرح بسماعه من أبي هريرة في عدة أحاديث وأما محمد بن علي بن الحسين فلم يدرك أبا هريرة فتعين أنه غيره والله تعالى أعلم“

ترجمہ: ”اور اس لئے کہ اس ابو جعفر نے کئی ایک احادیث میں ابو ہریرہ سے اپنے سماع کی صراحت کی ہے جبکہ محمد بن علی بن الحسین نے ابو ہریرہ کا زمانہ ہی نہیں پایا، اس سے تعین ہوا کہ یہ محمد الباقر کے علاوہ کوئی اور ہے واللہ اعلم۔“

(تہذیب التہذیب: ۵۵/۱۲)

چنانچہ ثابت ہوا کہ ابو جعفر محمد الباقر المدنی اور ابو جعفر المؤذن المدنی دو الگ شخصیات ہیں۔

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ اس سند میں ان دونوں میں سے کون مراد ہے؟

کسی بھی راوی کے تعین کے لئے ضروری ہے کہ اس کے شیوخ اور تلامذہ کو دیکھا جائے اور جو اس سے روایت کرنے میں معروف ہو یا وہ جس سے روایت کرنے میں معروف ہو ان کے تعین سے راوی کا بھی تعین ہو جائے گا۔ یہاں ابو جعفر کا المؤذن ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی:

یحییٰ بن ابی کثیر کے شیوخ میں محمد الباقر نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے ان کی کوئی روایت موجود ہے۔ جبکہ ابو جعفر المؤذن سے ہی ان کی روایت ثابت ہے۔

بعض متأخرین نے ان چند علماء کی دیکھا دیکھی میں محمد الباقر کو یحییٰ بن ابی کثیر کے شیوخ میں ذکر کر دیا ہے جو ابو جعفر المؤذن اور ابو جعفر محمد الباقر میں تفریق نہیں کرتے تھے جبکہ اصل میں یحییٰ بن ابی کثیر کی محمد الباقر سے پورے ذخیرہ حدیث میں ایک بھی روایت موجود نہیں ہے۔

اور اسی لئے متقدم کبار علماء نے بھی کبھی محمد الباقر کو یحییٰ کے شیوخ میں ذکر نہیں کیا ہے۔

دوسری:

یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی جعفر کی ایک حدیث کے تحت امام ترمذی فرماتے ہیں: ”وَأَبُو جَعْفَرٍ هَذَا الَّذِي رَوَى عَنْهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، يَقَالُ لَهُ: أَبُو جَعْفَرِ الْمُؤَذِّنِ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ غَيْرَ حَدِيثٍ، وَلَا نَعْرِفُ اسْمَهُ“ (سنن ترمذی: ۵۰۲/۵)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ:

- ۱۔ امام ترمذی ابو جعفر المؤذن اور محمد الباقر دونوں میں تفریق کرتے تھے، اور
- ۲۔ یحییٰ بن ابی کثیر جن سے روایت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک ابو جعفر المؤذن ہیں۔

تیسری:

امام ابو محمد الدارمی رحمہ اللہ یحییٰ عن ابی جعفر کی ایک حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”أَبُو جَعْفَرٍ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ“ (سنن الدارمی: ۲۷۸۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ:

- ۱۔ امام دارمی بھی ان دونوں میں تفریق کرتے تھے،
 - ۲۔ اور یحییٰ جس سے روایت کرتے ہیں وہ ابو جعفر المؤمن ہے۔
- چوتھی:

امام مسلم بن الحجاج رحمہ اللہ نے ان دونوں کے الگ تراجم ذکر کیے اور یحییٰ بن ابی کثیر کو صرف ابو جعفر کے اکلوتے تلمیذ کے طور پر ذکر کیا ہے، نیز فرماتے ہیں: ”أبو جعفر سمع أبا هريرة روى عنه يحيى بن أبي كثير“ (الكنى والاسماء لمسلم: ۵۴۷)

نیز اپنی کتاب المنفردات والوحدان جس میں امام مسلم نے ان رواۃ کو جمع کیا ہے جن سے صرف ایک شخص روایت کرتا ہے۔ اس میں امام مسلم نے ابو جعفر کا ذکر کیا ہے اور ساتھ میں اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ یہ ابو جعفر عطاء بن یسار کے طریق سے بھی روایت کرتا ہے اور اس سے صرف یحییٰ بن ابی کثیر ہی روایت کرتے ہیں، نیز امام مسلم فرماتے ہیں: ”وَمِمَّنْ تَفَرَّدَ عَنْهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ بِالرَّوَايَةِ..... وَأَبُو جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبُو جَعْفَرٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ“ (المنفردات والوحدان: ص: ۱۵۸-۱۶۰)

چنانچہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ

- ۱۔ ابو جعفر جس سے یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں اور جو عطاء بن یسار سے روایت کرتا ہے وہ محمد الباقر ہرگز نہیں ہیں کیونکہ محمد الباقر مشہور راوی ہیں اور ان سے روایت کرنے والے ایک نہیں بلکہ کئی لوگ ہیں۔
- ۲۔ عطاء بن یسار سے جو روایت کرتا ہے وہ یہی ابو جعفر المؤمن ہے۔ اور
- ۳۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام مسلم اسباب ازا والی اس خاص روایت میں ابو جعفر سے مراد اسی مجہول کو لیتے ہیں کیونکہ مجموعہ حدیث میں اس سند سے صرف ایک ہی روایت مروی ہے جو کہ یہی ہے۔

پانچویں:

اوپر ثابت ہوا کہ امام یحییٰ بن ابی کثیر صرف ایک ہی ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو جعفر المؤمن ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ عطاء بن یسار سے روایت کرنے والا کون ہے؟

عطاء بن یسار سے کسی بھی ابو جعفر نامی راوی کے طریق سے پورے ذخیرہ حدیث میں ایک ہی روایت ملتی ہے اور

یہ ہے۔

تو اگر ابو جعفر سے ایک یحییٰ ہی روایت کرنے والے ہیں اور عطاء کے تلامذہ میں ایک ہی ابو جعفر ہے جو بنا کسی نام یا لقب کے مذکور ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ یہ ابو جعفر المؤمن ذن ہی ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ اوپر امام مسلم کا صریح قول بھی گزر چکا ہے جس میں انہوں نے صراحت کے ساتھ تعین کر دیا ہے کہ عطاء بن یسار کے تلامذہ میں جو ابو جعفر ان سے روایت کرتا ہے وہ ابو جعفر المؤمن ذن ہی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ نیچے ان محدثین کا بھی ذکر آئے گا جو صراحتاً اس حدیث میں ابو جعفر سے مراد المؤمن ذن کو لیتے ہیں چنانچہ بالواسطہ طور پر ان کے نزدیک بھی ابو جعفر المؤمن ذن عطاء بن یسار کے شاگردوں میں شامل ہے۔

تنبیہ: جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا کہ بعض متأخرین نے ان دونوں ابو جعفر کو ایک ماننے والوں کی دیکھا دیکھی میں عطاء بن یسار کے تلامذہ میں محمد الباقر کا نام بھی لکھ دیا ہے، جو کہ غلط ہے اور محمد الباقر کی عطاء بن یسار سے پورے ذخیرہ حدیث میں کوئی بھی روایت موجود نہیں ہے۔

اور متقدم کبار علماء اس غلطی سے محفوظ ہیں۔ انہوں نے کبھی بھی محمد الباقر کو عطاء کے شاگردوں میں نہیں گنا ہے جس طرح انہوں نے محمد الباقر کو کبھی یحییٰ بن ابی کثیر کے شیوخ میں نہیں گنا ہے۔

چھٹی:

حافظ عبدالحق الاشعری رحمہ اللہ اسی اسباب والی حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”أبو جعفر هذا غير معروف“ (الاحکام الوسطی: ۱/۳۱۷)

اس سے ثابت ہوا کہ حافظ الاشعری رحمہ اللہ اس سند میں ابو جعفر سے مراد صراحتاً المؤمن ذن کو لیتے ہیں۔
ساتویں:

امام منذری رحمہ اللہ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”في إسناده أبو جعفر وهو رجل من المدينة لا يعرف اسمه“ (مختصر سنن ابی داؤد: ۱/۳۲۲)

اس سے ثابت ہوا کہ امام منذری رحمہ اللہ بھی اس روایت کی سند میں ابو جعفر سے مراد المؤمن ذن کو لیتے ہیں۔
آٹھویں:

حافظ ابن القطان القاسی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”وأبو جعفر هو المؤمن، يروي عنه يحيى بن أبي كثير، لا يعرف روى عنه غيره، ذكره بذلك مسلم والترمذي، ولا تعرف له حال“ (بيان الوهم والايهام: ۳/۶۲۵)

نویں:

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ ابو جعفر المؤذن کے ترجمے میں فرماتے ہیں: ”وعنه أبو داود في الصلاة عن يحيى بن أبي كثير عن أبي جعفر غير منسوب عن عطاء بن يسار عن أبي هريرة وأظنه هذا“
ترجمہ: ”اس سے ابو داؤد کتاب الصلاة میں یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی جعفر (بغیر نسبت کے) عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ یہ وہی (یعنی ابو جعفر المؤذن) ہے“ (تہذیب التہذیب: ۵۶/۱۲)

دسویں:

حافظ ابن رسلان المقدسی الشافعی (المتوفی: ۸۴۴ھ) رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:
(عن أبي جعفر) الأنصاري المدني قال الترمذي: ”لا نعرف اسمه“ (شرح سنن ابی داؤد لابن رسلان: ۸۱/۴)

گیارہویں:

امام شوکانی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”في إسناده أبو جعفر رجل من أهل المدينة لا يعرف اسمه“ (نیل الاوطار: ۱۳۴/۲)

بارہویں:

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ”والصحيح أن أبا جعفر هذا هو المؤذن“

ترجمہ: ”درست یہی ہے کہ یہاں یہ ابو جعفر المؤذن ہے۔“

نیز فرمایا: ”فأبو جعفر هذا هو رجل من أهل المدينة يروي عن أبي هريرة وعطاء بن يسار وليس هو أبا جعفر الباقر محمد بن علي“

ترجمہ: ”پس یہ ابو جعفر مدینہ کا ایک شخص ہے جو ابو ہریرہ اور عطاء بن یسار سے روایت کرتا ہے، اور یہ ابو جعفر الباقر محمد بن علی نہیں ہے۔“ (عون المعبود: ۲۴۱/۲)

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ محمد الباقر اور ابو جعفر المؤذن دو الگ لوگ ہیں اور اس سند میں ابو جعفر سے مراد ابو جعفر المؤذن ہے۔ اور بعض محدثین کو غلطی لگی اور انہوں نے ان دونوں کو ایک ہی شخص بنادیا ہے جو غلط ہے۔

اب دیکھتے ہیں کہ ابو جعفر المؤذن کے کیا حالات ہیں؟ وہ ثقہ ہے یا مجہول؟

ابو جعفر المؤذن مجهول الحال ہے:

ابو جعفر المؤذن کو کسی نے بھی ثقہ نہیں کہا ہے بلکہ سب نے اسے مجهول الحال کہا ہے۔ چنانچہ:

۱۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أبو جعفر المؤذن الأنصاري المدني مقبول من الثالثة“ (تقريب التهذيب: ۸۰۱)

اور ابن حجر کی اصطلاح ”مقبول“ معروف ہے۔

۲۔ حافظ عبدالحق الاشعری رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”أبو جعفر هذا غير معروف“

(الاحكام الوسطی: ۳۱۷/۱)

۳۔ حافظ ابن القطان الفاسی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”وأبو جعفر هو المؤذن، يروي عنه

يحيى بن أبي كثير، لا يعرف روى عنه غيره، ذكره بذلك مسلم والترمذي، ولا تعرف له حال“

ترجمہ: ”یہ ابو جعفر المؤذن ہے، اس سے یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں اور اس سے یحییٰ کے علاوہ کوئی بھی

روایت کرنے کے لئے نہیں جانا جاتا ہے“ (بیان الوهم والایہام: ۶۲۵/۳)

۴۔ امام منذری ابو جعفر کے متعلق فرماتے ہیں: ”فَلَا أَعْرِفُهُ“

ترجمہ: ”میں اسے نہیں جانتا“ (الترغیب والترہیب: ۶۷۳/۳)

۵۔ حافظ صدر الدین المناوی (المتوفی: ۸۰۳ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”في إسناده أبو جعفر

وهو رجل من المدينة لا يعرف اسمه قاله المنذري“ (كشف المناهج والتناقيح في تخريج أحاديث المصاحح

: ۳۱۹/۱)

اگر کوئی کہے کہ نام معروف نہ ہونے سے راوی کا مجهول ہونا لازم نہیں آتا تو عرض ہے کہ جب ”فی اسنادہ۔۔۔“ سے

بات شروع کی جائے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے آگے آنے والی خبر اس اسناد میں کسی حرج یا ضعف کی نشاندہی ہے۔

۶۔ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والحديث منسوخ وضعيف - أيضاً، لأن فيه رجلاً مجهول الاسم، وهو أبو جعفر المذكور“

(شرح ابی داؤد: ۱۶۹/۳)

اگر کوئی کہے کہ مجهول الاسم ہونا جرح نہیں ہے اور اس سے مجهول ہونا لازم نہیں آتا تو عرض ہے کہ علامہ عینی نے اس حدیث

کے ضعف کی دلیل کے طور پر اسے مجهول الاسم کہا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ان کی مراد مجهول ہونا ہی ہے۔

۷۔ علامہ عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَعْلَاهُ الْمَنْذَرِي فَقَالَ فِيهِ أَبُو جَعْفَرٍ رَجُلٌ مِنَ الْمَدِينَةِ لَا يَعْرِفُ“

ترجمہ: ”منذری سے اس حدیث کو معلول قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں ابو جعفر نامی مدینہ کا ایک شخص غیر معروف ہے۔“ (فیض القدیر: ۲/۲۷۷)

۸۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”فِي إِسْنَادِهِ أَبُو جَعْفَرٍ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَا يُعْرَفُ اسْمُهُ“ (نیل الاوطار: ۲/۱۳۴)

اس کے برعکس ابو جعفر کی توثیق کے لئے درج ذیل دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

پہلا استدلال: یحییٰ بن ابی کثیر صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں؟

اس بات کا مدار درج ذیل قول پر ہے:

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (التوفی: ۲۷۷) فرماتے ہیں:

”يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ إِمَامٌ لَا يَحْدُثُ إِلَّا عَنْ ثِقَةٍ“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۱۳۲/۹)

تو عرض ہے کہ یہ کوئی حتمی قاعدہ نہیں ہے۔ اگر صحیح معنی میں یہ قاعدہ کسی پرنٹ ہونا ہی چاہیے تو صرف ان لوگوں پر جو خود اپنی طرف سے صراحت کریں کہ میں صرف ثقہ سے روایت کرتا ہوں جیسے شعبہ یا یحییٰ القطان وغیرہ ہیں، اور پھر ان پر بھی یہ قاعدہ اکثریت پر مبنی ہوگا۔

لیکن جن کے بارے میں دوسرے لوگ یہ فیصلہ اپنی طرف سے اخذ کریں تو یہ کوئی حتمی بات نہیں ہوتی بلکہ اس کہنے والے کا اپنے محدود مطالعے کے مطابق محض ایک اندازہ ہوتا ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے برعکس امام یحییٰ بن ابی کثیر کے شیوخ کے متعلق اس قاعدے کو کسی بھی امام یا محدث نے استعمال نہیں کیا ہے، اور انہوں نے یحییٰ کے کئی شیوخ کو صراحتاً مجہول قرار دیا ہے، مثلاً:

أبو إبراهيم الأشهلي

امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”مجہول“ (الکاشف: رقم: ۶۳۸۳)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”مقبول“ (تقریب: رقم: ۷۹۲۲)

أبو إسحاق القرشي

امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”مجہول“ (ديوان الضعفاء: رقم: ۳۸۵۱)

أبو حفصة مولي عائشة رضي الله عنها

امام دارقطنی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”مجہول، لا أعلم حدث به عنه غیر یحیی بن أبی کثیر“ (سؤالات البرقانی: رقم: ۶۱۷)

امام ذہبی فرماتے ہیں: ”لا يعرف“ (میزان: ۵۱۶/۲)

امام ابن حجر فرماتے ہیں: ”مقبول“ (تقریب: رقم: ۸۰۵۸)

أبو مزاحم، المَدَنِي

ابن حجر فرماتے ہیں: ”مجہول“ (تقریب: رقم: ۸۳۶۲)

امام دارقطنی فرماتے ہیں: ”لا يعرف يترك“ (سؤالات البرقانی: رقم: ۶۲۳)

أبو همام الشعباني

الحسيني فرماتے ہیں: ”مجہول“ (تعجيل المنفعة: ۵۵۵/۲)

البيشي کہتے ہیں: ”لم أعرفه“ (مجمع الزوائد: ۲۱۳/۶)

الربيع بن محمد

ابن حجر فرماتے ہیں: ”مجہول“ (تقریب: رقم: ۱۹۰۰)

ثمامة بن كلاب

امام بیہقی فرماتے ہیں: ”مجہول“ (سنن الكبرى: ۳۰۳/۸)

ابن حجر فرماتے ہیں: ”مقبول“ (تقریب: رقم: ۸۵۵)

حمان الهنائي

امام ذہبی فرماتے ہیں: ”لا يدري من هو“ (میزان الاعتدال: ۶۰۲/۱)

ابن حجر فرماتے ہیں: ”مستور“ (تقریب: رقم: ۱۵۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین یحیی بن ابی کثیر کا کسی سے روایت کرنے کو اس کی توثیق نہیں سمجھتے تھے۔ یہ تو بڑی دور کی بات ہے امام ابو حاتم جنہوں نے کہا کہ یحیی صرف ثقہ سے روایت لیتے ہیں، وہ خود اس قاعدے کو نہیں مانتے۔

امام ابو حاتم الرازی کا خود بخوبی بن ابی کثیر کے شیوخ کو مجہول کہنا:

چند مثالیں کتاب الجرح والتعديل لابن ابی حاتم سے درج ذیل ہیں:

۶۳۶۔ عبد اللہ بن ابی الفضل المدینی روئے عن ابی ہریرۃ روئے عنہ یحییٰ بن ابی کثیر سمعت ابی یقول ذالک وسمعتہ یقول: لم یرو عنہ غیر یحییٰ بن ابی کثیر ولا نعرفہ۔

۱۰۲۶۔ علی بن سلمۃ القرشی مدینی روئے عن ابی ہریرۃ روئے عنہ یحییٰ بن ابی کثیر سمعت ابی یقول ذالک و یقول ہو شیخ مجہول لا أعلم، روئے عنہ غیر یحییٰ بن ابی کثیر۔

۱۱۰۸۔ محمد بن ایوب یمامی روئے عن ابی ہریرۃ قال من بزق فی المسجد، وروئے عن سحیم مولیٰ ابی ہریرۃ، وروئے عن ابن حسن بن عبد الرحمن ابن عوف روئے عنہ یحییٰ بن ابی کثیر والاوزاعی و عکرمۃ بن عمار سمعت ابی یقول ذالک، وکان البخاری جعلہ ثلاثۃ اسامی فسمعت ابی یقول ہم واحد، ناعبد الرحمن قال سألت ابی عنہ فقال ہو شیخ مجہول۔

۱۱۲۰۔ محمد بن ابان المزنی یمامی روئے عن عروۃ بن الزبیر والقاسم ابن محمد روئے عنہ یحییٰ بن ابی کثیر والاوزاعی، ناعبد الرحمن قال سمعت ابی یقول ذالک وسألتہ عنہ فقال ہو شیخ من اهل الیمامۃ لا أعلم أحداروئے عنہ غیر یحییٰ بن ابی کثیر والاوزاعی۔

۱۲۵۶۔ أبو ابراہیم الاشہلی الأنصاری روئے عن أبیہ روئے عنہ یحییٰ بن ابی کثیر سمعت ابی یقول ذالک۔ ناعبد الرحمن قال سمعت ابی یقول: أبو ابراہیم الانصاری الذی روئے عنہ یحییٰ بن ابی کثیر لا یدری من ہو ولا ابوہ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابو حاتم الرازی خود بخوبی بن ابی کثیر کا کسی سے روایت کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کرتے تھے۔

اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں:

- ۱۔ امام ابو حاتم کا یہ قول کہ بخوبی ثقہ سے ہی روایت لیتے ہیں، منسوخ ہے۔
- ۲۔ یا، امام ابو حاتم کی اس قول سے مراد کچھ اور ہے۔

اول قول بعید ہے، البتہ ان کے اس قول کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ ان کی مراد یہ ہوگی کہ بخوبی بن ابی کثیر عمومی طور پر ایسے لوگوں سے روایت کرتے ہیں جو دیگر محدثین کے نزدیک معروف ثقہ ہیں، یعنی ان کے اساتذہ میں اکثر لوگ

ثقہ ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ روایت ہی صرف ثقہ سے لیتے ہیں۔

اتفاقاً اکثر شیوخ کا ثقہ ہونا ایک چیز ہے، اور

روایت صرف ثقہ سے ہی لینے کی قید لگانا بالکل الگ چیز ہے۔

اور امام ابو حاتم کی یہاں مراد غالباً دوسری مذکورہ بات ہے۔

دوسرا استدلال: امام ترمذی کا ابو جعفر کی روایت کو حسن کہنا:

اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی کی تحسین کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا کیونکہ آپ خصوصاً تحسین میں متساہل تھے اور

مجاہل کی روایات کو بھی حسن کہہ دیا کرتے تھے، چنانچہ امام ذہبی فرماتے ہیں:

”وقسم في مقابلة هؤلاء كأبي عيسى الترمذي وأبي عبد الله الحاكم وأبي بكر البيهقي

متساهلون“ (ذکر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل: ص: ۱۷۲)

چنانچہ ایک جگہ امام ترمذی کی تحسین کا اعتبار نہ کرتے ہوئے عمارۃ بن حدید کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”مجہول“ (تقریب)

اور امام ذہبی فرماتے ہیں: ”مجہول“ (میزان) اور دوسری جگہ فرمایا: ”لا يدري من هو“ (الکاشف)

تیسرا استدلال: امام ابن حبان کا ابو جعفر کی روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کرنا:

اس تصحیح کا بھی کوئی اعتبار نہیں کیونکہ امام ابن حبان توثیق میں متساہل تو ہیں لیکن یہاں ان کی تصحیح کے مردود ہونے

کی ایک اور وجہ بھی ہے۔

اور وہ یہ کہ امام ابن حبان ابو جعفر المؤذن اور محمد الباقر میں فرق نہیں کرتے تھے، لہذا ابو جعفر کی جس حدیث کو انہوں

نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے اس میں انہوں نے ابو جعفر کو محمد الباقر کہہ کر اس کی تصحیح کی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

أخبرنا محمد بن سليمان بن فارس، حدثنا الحسين بن عيسى البسطامي، قال: حدثنا عبد الصمد،

قال: حدثنا هشام الدستوائي، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي جعفر، عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى

الله عليه وسلم، أنه قال: ”ثلاث دعوات مستجابات لا شك فيهن: دعوة المظلوم، ودعوة المسافر،

ودعوة الوالد على ولده“

قال أبو حاتم رضي الله عنه: ”اسم أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب“

(صحیح ابن حبان: ۴۱۶/۲، ج: ۲۶۹۹)

نیز ابو جعفر المؤذن کے ترجمے میں حافظ ابن حجر امام ابن حبان کی اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وقال ابن حبان في صحيحه هو محمد بن علي بن الحسين قلت وليس هذا بمستقيم لأن محمد بن علي لم يكن مؤذنا ولأن أبا جعفر هذا قد صرح بسماعه من أبي هريرة في عدة أحاديث وأما محمد بن علي بن الحسين فلم يدرك أبا هريرة فتعين أنه غير هو والله تعالى أعلم“ (تهذيب التهذيب: ۵۵/۱۲)

لہذا امام ابن حبان جس راوی کی تصحیح کر رہے ہیں وہ ابو جعفر المؤذن ہے ہی نہیں، تو اس استدلال کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

چوتھا استدلال: امام نووی کا ابو جعفر کی روایت کو صحیح علی شرط مسلم کہنا:

اس قول کے مردود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ یہ امام نووی کی واضح غلطی ہے، کیونکہ ابو جعفر المؤذن کی کوئی روایت صحیح مسلم میں موجود نہیں ہے لہذا اس روایت کا مسلم کی شرط پر صحیح ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

اور غالباً امام نووی بھی ابن حبان وغیرہ کی طرح ابو جعفر سے مراد محمد الباقر کو لیتے ہیں کیونکہ اسی صورت میں یہ اسناد مسلم کی شرط پر ہو سکتی ہے۔

لہذا اس قول سے ابو جعفر المؤذن کی توثیق کا استدلال ہرگز نہیں لیا جاسکتا۔

پانچواں استدلال: امام ذہبی کا اس روایت کو اسنادہ صالح کہنا:

اس قول کا جائزہ لینے سے پہلے ہم امام ذہبی کی مکمل بات کو نقل کر لیتے ہیں:

(المهذب في اختصار السنن الكبير: ص: ۶۸۰)

اس سیاق کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ امام بیہقی اس حدیث کے تحت دیگر رواۃ کا ابان بن یزید العطار کے ساتھ اختلاف یا مخالفت ذکر کر رہے ہیں، کیونکہ ابان اکیلے ہیں جو اسے ابو ہریرہ کی صراحت کے ساتھ روایت کرتے ہیں جبکہ باقی سب اسے ”عن رجل من اصحاب النبی ﷺ“ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

اور اسی اختلاف کی مزید تفصیل دیتے ہوئے امام ذہبی نے ایک دوسرا طریق ذکر کیا جس میں عن رجل ہی ہے اور پھر اس روایت کو ”عن رجل“ کے ذکر کے ساتھ محفوظ قرار دیتے ہوئے انہوں نے صرف اسی کو اسنادہ صالح کہا ہے۔

ورنہ اگر ان کی مراد سند کے رجال کی توثیق کرنا ہوتی تو رجال تو پہلی اور دوسری سند کے بھی ثقہ ہیں تو پھر اسی مخالفت والی سند کو ہی ذکر کر کے اسنادہ صالح کیوں کہنا پڑا؟

اس کا واضح مطلب ہے کہ یہاں اسنادہ صالح سے امام ذہبی کی مراد یہ ہے کہ یہ اسناد ابو ہریرہ کے ذکر کے بغیر ہی محفوظ ہے۔

اور یہ کوئی پہلی بار نہیں ہے بلکہ دیگر جگہوں پر بھی امام ذہبی نے مخالفت والی اسانید میں سے محفوظ اسناد کو واضح کرنے کے لئے اسنادہ صالح کا استعمال کیا ہے، مثلاً آپ ایک جگہ فرماتے ہیں:

وروی یحییٰ بن غیلان - ثقة - نا أبو عوانة عن الأعمش عن الضحاك عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (منا السفاح ومنا المنصور). وقال علي بن الجعد وأبو النضر: نازهير بن معاوية، نا ميسرة بن حبيب عن المنهال بن عمرو عن سعيد بن جبیر سمع ابن عباس يقول: (منا السفاح ومنا المنصور ومنا المهدي) فهذا إسنادہ صالح والذي قبله منكر وهو منقطع. (تاریخ الاسلام: ۹/۲۶۷)

اور اس کے علاوہ امام ذہبی عموماً جب اسنادہ صالح کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد تصحیح یا تحسین نہیں ہوتی بلکہ امام ذہبی اس قول کو ان روایات پر استعمال کرتے ہیں جو:

صالح للاستشهاد ہوں، یا

سند شذوذ و مخالفت سے پاک ہو، یا

اسناد نہ صحیح ہو نہ حسن ہو بلکہ اس میں کچھ ضعف پایا جاتا ہو۔

اس کی ایک مثال درج ذیل ہے، امام ذہبی ایک جگہ فرماتے ہیں:

”ثم يليه ما كان إسنادہ صالحاً، وقبله العلماء لمجيئه من وجهين لينين فصاعدا“

(سير اعلام النبلاء: ۱۳/۲۱۳)

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبی کے نزدیک ایک اسناد صالح ہونے کے باوجود بھی لین لین ہو سکتی ہے۔ اور اگر دو اسانید ایسی ہوں تو وہ ایک دوسرے کو تقویت دے دیتی ہیں۔

الغرض امام ذہبی کے نزدیک ”اسنادہ صالح“ کا مرتبہ وہی ہے جو ابن حجر کے نزدیک ”مقبول“ کا ہے۔

اس کے علاوہ دیگر کئی مقامات پر آپ نے اسنادہ صالح کہہ کر دوسری جگہ اس کے راویوں پر کلام کیا ہے۔

بلکہ ایک جگہ تو راوی کو مجہول کہنے کے بعد بھی اسی اسناد کو صالح کہا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

”مدارہ علی الحارث بن عمرو، وفيه جهالة، عن رجال من أهل حمص، عن معاذ. فإسنادہ صالح“

(سير اعلام النبلاء: ۱۸/۴۷۲)

اسی طرح ایک دوسری جگہ اپنی سند سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

أبو هلال، عن حنظلة، عن أنس: إنهم قالوا: يا رسول الله، أينحنى بعضنا لبعض إذا التقينا؟ قال: ”لا“،

قالوا: فيسجد بعضنا لبعض؟ قال: "لا، ولكن تصافحوا".

تابعہ جریر بن حازم، وابن المبارک، عن حنظلة، أخرجه الترمذي، والقزويني، وإسناده صالح، فقد قال أبو حاتم وغيره: "إن حنظلة ليس بالقوي" (معجم الشيوخ الكبير للذهبي: ۱۷۶/۲) دیگر مقامات پر بھی امام ذہبی نے حنظلہ کو صراحتاً ضعیف کہا ہے، اور یہاں بھی اسناد کو صالح کہہ کر حنظلہ کے ضعف کو دلیل بنا رہے ہیں۔

ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ امام ذہبی کا یہاں اسنادہ صالح کہنا توثیق کی کوئی دلیل نہیں ہے اس کے برعکس یہ قول تو اس اسناد پر جرح ہے، اور امام ذہبی خود بھی اس اسناد کو صحیح یا حسن نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک اس میں ضعف موجود ہے، اور یقیناً وہ ضعف ابو جعفر المؤذن ہی ہے۔ لہذا اس سے الٹا اس اسناد کے ضعف کو مزید تصدیق ملتی ہے، والحمد للہ۔ آخر میں عرض کر دوں کہ امام ذہبی کے اس قول کے معنی کے متعلق شیخ عبد اللہ السعد بھی یہی فرماتے ہیں چنانچہ الموقظ للذہبی کی شرح میں وہ فرماتے ہیں:

"فوجد في كلامه ألفاظ (صحيح)، (إسناده صحيح)، (إسناده جيد)، ويقول في الإسناد الذي فيه أمثال ابن لهيعة (ممن يكتب حديثهم)، (إسناده صالح) أي فيه ضعف" (شرح الموقظ للذهبي: ص: ۱۸۱) لہذا ابو جعفر المؤذن مجہول ہے جیسا کہ ابن حجر و دیگر محدثین نے کہا ہے اور اب امام ذہبی بھی ان میں شامل ہو گئے ہیں! اس لئے اس حدیث کو حسن یا صحیح کہنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ:

اللہ کے فضل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ روایت ضعیف و منکر ہے۔ اس کی سند میں ابو جعفر المؤذن مجہول الحال شخص ہے۔ اسے محمد الباقر سمجھنا غلط ہے کیونکہ وہ دونوں الگ شخصیات ہیں۔ اور جو لوگ سند میں ابو جعفر المؤذن کے تعین کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اسے بعض غلط استدلالوں کی وجہ سے حسن کہتے ہیں ان کی بات بھی درست نہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ الغرض اس روایت کو ضعیف کہنے والے یا اس پر کلام کرنے والے علماء و محدثین درج ذیل ہیں:

(۱) صدر الدین المناوی (۲) عبد الحق الاشعری (۳) عبد الرؤف المناوی (۴) عبید اللہ المبارکپوری (۵) محمد بن صالح العثیمین (۶) ملا علی قاری الحنفی (۷) منذری (۸) ناصر الدین الالبانی (۹) ابن القطان الفاسی (۱۰) عبد العزیز بن باز (۱۱) ابن حجر العسقلانی (۱۲) ابواسحاق الحونی (۱۳) بدر الدین العینی (۱۴) حسن بن احمد الرباعی (۱۵) شعیب الارناؤط (۱۶) شوکانی وغیرہ

(قسط اول)

قرآن اور بچے

ام ہشام

ایک مسلمان خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا ناخواندہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مبارک کتاب قرآن مجید کے حوالے سے اس کی سب سے بڑی تمنا اور آرزو یہ ہوتی ہے کہ اس کی اولاد اس کتاب سے جڑ جائے وہ اسے یاد کرنے اور سمجھنے والی ہو اور وہ اسے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز تصور کرتا ہے۔ وہ جس قسم کی بھی پر مشقت زندگی گزار رہا ہو۔ اس سے کئی گنا بہتر اور شاندار زندگی کا تصور اپنی اولاد کے لئے سمجھتا ہے۔

اسے اپنی ہر محرومی پر صبر آ جاتا ہے کیونکہ اسے اپنی بے مائیگی، بے سروسامانی کی حقیقت سے زیادہ کتاب اللہ کے معجزات پر یقین ہوتا ہے۔ یہ یقین اس کے اوپر اور پر نہیں بہہ رہا ہوتا بلکہ اسکی ذات میں اپنی جڑوں سمیت پیوست ہوتا ہے یہ قول ”عَلَّمَ وَلَدَكَ الْقُرْآنَ سَيَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ“ ”اپنی اولاد کو قرآن سکھا دو اور قرآن اسے بقیہ علوم سکھا دے گا“ اس کے لئے راہ کا سنگ میل ثابت ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ واحد علم انکے بچوں پر علوم و فنون کے اور بھی بہت سے دروازے کھول دے گا اور دنیا و آخرت کی زندگی میں فلاح کی راہ کو تلاش کرنے والے کے پاس یہی وہ علم ہے جو اسے فائز المرامی تک پہنچائے گا۔

قرآن کریم دنیا کی Best seller کتابوں میں سے ہے دنیا کے ہر خطہ میں جہاں کہیں بھی مسلمان اپنی اقلیت و اکثریت کے ساتھ موجود ہیں یہ کتاب وہاں نہ صرف پڑھی پڑھائی جاتی ہے بلکہ یاد بھی کی جاتی ہے دنیا بھر میں ۱۳ ملین مسلمان یعنی ایک کروڑ تیس لاکھ لوگ کم و بیش حافظ قرآن ہیں اور اس کتاب مقدس کو اپنے سینوں میں اٹھائے ہوئے ہیں اللہ کا یہ کلام نبی کریم ﷺ کو عطا کئے گئے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ ہے، اس کتاب کا کروڑوں سینوں میں محفوظ ہونا ہی اللہ کی قدرت کاملہ کا ایک عظیم الشان مظہر ہے اور کتاب الہی کے منزل من اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اتنے فیوض و برکات کے باوجود ساتھ ہی ایک کڑوی حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کو کما حقہ اٹھایا نہیں گیا۔ اہل قرآن نے کما حقہ اس کتاب کا حق ادا نہیں کیا جس کی وجہ سے آج قرآن کریم سیکھنے سکھانے جیسا بابرکت عمل اپنی اصل خوبصورتی اور برکات سے محروم ہو گیا ہے اسی ضمن کے ایک اہم مسئلے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ آخر بچے قرآن سیکھنے میں تردد کیوں کرتے ہیں اور اسے سیکھنے یا یاد کرنے کے

بعد اسکے اثرات اس کی زندگی ہر دکھائی کیوں نہیں پڑتے۔

قرآن پڑھنے یا یاد کرنے کے بعد اس سے یکسر لعلق کیوں ہو جاتے ہیں۔ والدین سرپرست یا اساتذہ کی طرف سے بارہا ایسی شکایتیں اور مسائل سامنے آتے رہتے ہیں۔
ان شاء اللہ ہم آئندہ سطور میں ان اسباب و عوامل پر غور کریں گے:

(۱) والدین کی اپنی منصوبہ بندی:

والدین اگر اپنے بچوں کو قرآنی تعلیمات سے آراستہ کرنا چاہتے ہوں تو اس بات کی تیاری زوجین کو اسی وقت سے شروع کر دینی چاہئے جب وہ ایک دوسرے کا انتخاب کر رہے ہوں۔

جی ہاں! کیونکہ اگر شریک سفر نیک ہوگا رہوگی تو یقینی طور پر وہ خود بحیثیت مومن اللہ اور اسکی کتاب مقدس سے جڑا ہوا ہوگا اسکی زندگی کا نصب العین اللہ ہی سبحانہ و تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہوگا اور نیک والدین یقیناً اپنی اولاد کا تعلق بھی اللہ اور اس کی کتاب حکیم سے ضرور جوڑیں گے۔

پھر اولاد آ جانے کے بعد اس کی پرورش کے آغاز میں ہی والدین اپنے عزم و ارادہ کو اس بات پر پختہ کر لیں کہ انہیں ہر صورت اپنی اولاد کو قرآن کے لئے وقف کرنا ہے جس کی تکمیل کی خاطر وہ اپنا وقت مال اور توجہ سب کچھ وقف کرنے کو پوری طرح سے تیار ہیں۔

قرآن مجید کا حفظ کرنا یا اسکی تفسیر کا سیکھنا، یہ ایک لمبا اور صبر آزمایا مرحلہ ہوتا ہے جس کے لئے عزم محکم، مضبوط قوت ارادی، صبر و برداشت، حکمت و تحمل اور جہد مسلسل کی سب سے زیادہ ضرورت ہے لہذا یہ امر سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ خواہشمند والدین اپنے ارادہ میں استقلال رکھنے والے ہوں وہ عجلت پسند اور جذباتی نہ ہوں۔

والدین کی منصوبہ سازی میں کرنے کا دوسرا کام یہ ہے کہ ان کے سامنے ان کا مقصد صاف ہو یوں نہ ہو کہ بچے کے بڑے ہونے تک والدین اسکی کیرئیر منصوبہ بندی کو ہر دو مہینے پر بدلتے رہیں۔

والدین کے پاس ان کا اپنا ایک مضبوط و مطلوب اور مثالی ویژن ہو کہ وہ کیوں اپنے بچے کو قرآن سے جوڑنا چاہتے ہیں؟ اسے حافظ قرآن یا عالم دین کیوں بنانا چاہتے ہیں؟ اور جب یہ جواب آئے تو یہ جواب روایتی نہ ہو مثلاً والدین کہیں کہ!!! ہم مسلمان ہیں اور ہر مسلمان کو قرآن پڑھنا چاہیے اسلئے ہم بھی قرآن پڑھانا چاہتے ہیں۔

یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ کسی اور کو دیکھ کر اپنے بچے کو حافظ یا عالم بنانا، خاندانی روایت کی وجہ سے یا پھر اولاد کی چاہت میں نذر و منت کے طور پر بچے کو اللہ کی راہ میں قرآن سیکھنے کے لئے وقف کرنا، اپنے تعارف کو مزید وسعت دینے کی خاطر بچے کا استعمال کرنا تا کہ لوگ آپ کو حافظ قرآن کے والدین سمجھیں، یا پھر ایسی کسی شرمناک وجہ کے ساتھ بچے کو قرآن سے جوڑنا مثلاً ”یہ کانوینٹ اور انگلش میڈیم میں نہیں چلا اس لئے حافظ جی کے پاس بٹھانا چاہتے ہیں“

ایسی ساری نیتوں کا شمار مخلصانہ عزم و ارادہ میں نہیں ہوتا لہذا اسکے نتائج اور اثرات بھی دیر پا اور نتائج بخش ثابت نہیں ہو سکتے۔

والدین خود کو جانچیں گرو پر دی گئی وجوہات میں سے آپ کے پاس ایک بھی وجہ ہے تو یہ آپ کے مقاصد کی بنیادی اور سب سے بڑی غلطی ہوگی جیسے تیسے گرنے والے قرآن مکمل بھی کر لیا تو بھی یہ ایسے ارادے سے ایک سچا جانشین قرآن کبھی تیار نہیں کیا جاسکتا۔

والدین کے پاس ایسے کمزور اور سطحی ارادوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا عزائم موجود ہونے چاہیے۔

مثلاً یہ کہ والدین کہیں کہ ”ہم اپنے بچے کو قرآن مقدس سے اس طور جوڑنا چاہتے ہیں کہ بچے کا قرآن مقدس سے لفظی، معنوی اور روحانی رشتہ قائم ہو سکے۔ اس کتاب کے معجزاتی اثرات نہ صرف بچے کے ظاہر کو متاثر کریں بلکہ قرآن کریم کی تاثیر اس پر اور اسکے ساتھ پوری دنیا کو متاثر کرنے والی ہو۔

(۲) اللہ کی معرفت:

جس کام پر ہم اپنا وقت، پیسہ اور طاقت صرف کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ پہلے اس کام کو کرنے کے لیے ہمارے پاس بہت ہی ٹھوس وجہ اور ویژن ہونا چاہیے۔

قرآن کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اس کتاب کو سیکھنے کے لیے وہ بڑی وجہ ہمارے پاس ضرور ہونی چاہیے جو ہمیں اس کام کی رغبت دلاتی ہو۔

لہذا والدین پر یہ ضروری ہے کہ اس عظیم مشن میں بچے کو صرف یہ کہہ کر قرآن مجید نہیں تھما دینا ہے کہ اسے پڑھو اور پڑھتے جاؤ کیونکہ اسکے پڑھنے سے ثواب ملتا ہے نیکیاں ملتی ہیں بلکہ یہاں پہلا اسٹیپ یہ ہوگا کہ بچے کے دل و دماغ میں جس ہستی نے اس کتاب کو نازل کیا اور بنایا ہے یعنی اللہ رب العزت کی معرفت اسکی موجودگی اور

قدرتوں کا یقین پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جس کی خاطر اسے توحید کا مفہوم بہت ہی آسان لفظوں میں لیکن پورے وثوق کے ساتھ سمجھایا جائے پھر اسکے بعد اسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تعارف بھی دیا جائے نفسیاتی طور پر بچے کو اندر سے مضبوط کیا جائے۔ بچے کو ہمہ وقت یہ احساس ہو کہ اسکے والدین اور اساتذہ کی غیر موجودگی میں بھی کوئی ذات ہے جو مسلسل اسکے ساتھ ہے جو ان لوگوں سے کہیں زیادہ بڑی، طاقتور، باخبر اور بے انتہاء محبت کرنے والی ہے۔

اور یہ ذہن سازی ان شاء اللہ بہت ہی مفید ثابت ہوگی ایک طرح سے یہ بچے کے دل و دماغ پر اللہ کی محبت اور اس کی سلطنت قائم کرنے جیسا ہے اگر ایک بار بچہ اللہ کی معرفت سے سرفراز ہو جاتا ہے تو پھر ان شاء اللہ اسکے لیے اللہ کے کلام کو سیکھنا سکھانا اور اس پر عمل کرنا بھی بہت آسان ہو جائیگا قرآن سیکھنے کے لیے ان شاء اللہ اس کے پاس سب سے بڑی وجہ اپنے رب کی محبت ہوگی جس کے حصول کی خاطر وہ بلا رکے، بلا تھکے اس راہ میں اپنی منزل کو بڑھتا چلا جائیگا۔

یہ حدیث ہمارے لئے ایک زبردست گائیڈ لائن فراہم کرتی ہے جب اللہ کے رسول ﷺ نے سواری پر اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے دس سالہ عبد اللہ سے فرمایا کہ اے عبد اللہ:

”يَا غُلَامُ إِنِّي أَعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: أَحْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، أَحْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تَجَاهُكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ، قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ، قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ، زُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجُفِّتِ الصُّحُفُ“۔ (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ: ابو العباس عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھا، آپ نے مجھ سے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں: تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کر، اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کر، ہمیشہ اسے اپنے سامنے پائے گا، جب بھی کچھ مانگنا ہو، اللہ تعالیٰ سے مانگ، اور جب بھی مدد طلب کرنی ہو، اللہ تعالیٰ سے طلب کر، اچھی طرح جان لے اگر ساری امت جمع ہو کر تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اگر ساری امت اکٹھی ہو کر تیرا کوئی نقصان کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے نوشتہ تقدیر کے سوا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتی، قلم اٹھائے گئے ہیں اور صحیفہ خشک ہو چکے ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بچوں کو امور عقیدہ کی تعلیم دینی چاہئے، بلکہ عقیدہ کی جواہریت کتاب و سنت سے اجاگر ہوتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تعلیم دین میں اسی سے آغاز کیا جائے، چونکہ ابتدائی تعلیم بچے کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ یاد بھی رہتی ہے، لہذا صغریٰ ہی سے عقیدہ کی تعلیم دینا انتہائی نافع ثابت ہوگی۔

یہ حدیث نصیحت کے ایک خیر خواہانہ اور ناصحانہ اسلوب کا شاہکار ہے، آپ ﷺ نے فوراً نصیحت شروع کرنے کے بجائے پہلے (یا غلام انی أعلمک کلمات) کہہ کر ان کی توجہ اپنی جانب مبذول فرمائی، پھر نصیحت شروع کی۔

ہمیں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ بچوں کی ذہن سازی پہلے کی جائے پھر انہیں کچھ سیکھنے پر آمادہ کیا جائے۔

(۳) معرفت قرآن:

بچے کو قرآن کریم کی عظمت سے واقفیت دلائی جائے جس کے لیے بچے کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے اسے نیکیوں، اجر و ثواب سے متعارف کروایا جائے اسکے معصوم دل و دماغ کو بھاری بھر کم جملوں کی بجائے آسان فہم زبان میں بات کی جائے ایسی مثالوں کا انتخاب کیا جائے جس سے بچے اجر و ثواب کے کانپٹ کو سمجھ پائیں۔

قرآن پڑھنے پر آمادہ کرنے کے لئے جبر کی بجائے محبت اور شوق دلانے سے کام لینا چاہیے۔

امام ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں کو احکام سکھاتے ہوئے ساتھ ان کے دلائل بھی بتائے جائیں۔ آپ ایسا کریں گے تو اس کے دو فائدے ہو گے:

پہلا: بچے کو دلائل کے ساتھ بات کرنے اور ماننے کی عادت پڑ جائے گی۔

دوسرا: اسے اللہ اور نبی ﷺ کی ذات سے محبت ہوگی۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ ہی قابل اتباع امام ہیں کہ جن کی ہر کام میں پیروی کرنی ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس بات سے غافل ہے، لوگ اپنے بچوں کی احکام کی تعلیم دیتے ہیں لیکن اس تعلیم کو دلائل کے مصدر سے مربوط نہیں کرتے جو کہ کتاب و سنت ہے۔

(القول المفید علی کتاب التوحید: ۲/۲۲۳)

بچے کو قرآنی فضائل اور اسکی برکات سمجھانی چاہیے جسکے لیے صرف زبانی کام نہیں ہو بلکہ اسے ان چیزوں کا ادراک کرایا جائے جسے رب اعلیٰ نے ہم پر بطور احسان عطا کیا ہے۔

بچہ جب بھی سوال کرے کہ ہم اس کتاب کو کیوں پڑھتے ہیں اور اسے پڑھنے سے کیا ہوگا؟ آپ اسے بتلائیں کہ اسکے ہر حرف کے پڑھنے پر دس نیکی ملتی ہے تو سوچو!!!!!! جس نے مکمل قرآن اپنے سینے میں محفوظ کر لیا وہ انسان کتنا باسعادت ہوگا اللہ عزوجل کے یہاں اسکا درجہ کس قدر بلند ہوگا!

اسی طرح نیک کام کرنے پر اجر و ثواب پانے والی بات کو سمجھانے کے لیے پریکٹکل یہ کیا جاسکتا ہے کہ بچے سے اسکی ذاتی کوئی بھی معمولی چیز کچھ سیکنڈ کو عاریتاً مانگیں اور جب بچہ اپنی چیز آپ کے حوالے کر دے تب اسکے بدلے اسے دس چاکلیٹ، بسکٹ، یا کھلونے دیں پھر ساتھ ہی سمجھائیں کہ جس طرح تمہاری ایک معمولی چیز کے بدلے میں تمہیں یہ دس چاکلیٹ ملی ہیں اجر و ثواب کا معاملہ بھی اللہ کے پاس ایسا ہی ہے قرآن پڑھنے کے عوض صرف ایک حرف کے بدلے وہ اپنی دس دس نیکیاں تمہارے نام لکھتا ہے۔

بچے یونہی خالی خولی اجر و ثواب خیر و برکت کو نہیں سمجھ سکتے بحیثیت ذمہ دار والدین اور اساتذہ، ہمیں انہیں سمجھانے کے لیے مختلف طریقوں کا استعمال کرنا چاہیے اسی ضمن میں انہیں اجر و ثواب کی کیفیت اور اس کی صورت سمجھانے کو یہ بتایا جاسکتا ہے کہ بیٹا!!!!!! تمہارے والدین، تمہارا گھر، کھلونے، کپڑے یہ سب اللہ کی طرف سے ہے اور تمہارے لیے یہی اجر اور ثواب ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ گا ہے بگا ہے خوش ہو کر تم کو اپنی نعمتیں دیتا رہتا ہے اور مزید بھی دے گا۔

بچوں کی طبیعت فطرتاً متحسّس، متحرک اور دفاعی ہوتی ہے اس فطرت کے تحت بھی بچوں کو قرآن کریم کی تاثیر سمجھائی اور محسوس بھی کرائی جاسکتی ہے۔

چونکہ بچے غیر مرئی مخلوق جن وشیاطین کی باتوں میں بے حد دلچسپی رکھتے ہیں انکی باتوں اور قصے کہانیوں کو بچے بڑے اشتیاق سے سنتے ہیں، تخیلاتی طور پر ان سے لڑنا انہیں شکست دینا بچوں کے لیے بہت دلچسپ کھیل ہوتا ہے جسکی خاطر اکثر وہ الٹے سیدھے منتر پڑھتے ہوئے دکھائے دیتے ہیں اور یہ کلمات مہمل ہونے کے ساتھ بسا اوقات شریک بھی ہوتے ہیں کیا ہی خوب ہو کہ بچوں کو آیہ الکرسی کے فضائل سمجھا دئے جائیں کہ اس سورۃ کو پڑھنے کا فائدہ انکی دلچسپیوں سے خاصا متعلق ہے بچے بڑے ہی خوش ہو کر اس سورت کا اہتمام کرتے ہیں جب انہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت جن وشیطانوں کو بھگانے والی ہے اور آگ چوری اور ڈکیتی سے محفوظ کرنے والی ہے، اسی طرح سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات کو یاد کرنے کی فضیلت بتلانا (فتنہ دجال سے حفاظت) اور بچوں کو اسکے حفظ پر ابھارنے کی ایک عمدہ کوشش ثابت ہو سکتی بچوں کے لیے دجال بھی ایک سسپنس ہے وہ بہت ہی پر جوش ہو کر

اسکے متعلق احادیث سنتے ہیں۔

معوذتین کی اہمیت بتلاتے ہوئے بچوں کو قرآنی آیات کی طاقت کا احساس دلانا چاہیے کہ یہ چھوٹی سی سورتیں اپنے اندر کیسی ناقابلِ تسخیر قوت رکھنے والی ہیں آپ نہ صرف اسے یاد کریں بلکہ صبح و شام اسے اپنے آپ پر دم کر کے اپنی حفاظت کا اہتمام خود کریں۔

خلاصہ کلام یہ کہ بچوں کو محض زبانی چیخ و پکار، جبر و تشدد سے قرآن کریم کے سیکھنے کی طرف رغبت نہیں دلائی جاسکتی یہ طریقہ کار ہرگز بھی مفید اور مؤثر نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم سے بچے کا مضبوط تعلق بنانے کی خاطر اسے قرآن سے محبت کا عادی بنانا شرط اول ہے وہ جو بھی دیکھے کم یا زیادہ کلام اللہ کے ہر ہر لفظ سے اس کا رشتہ رسمی نہ ہو بلکہ قلبی، روحانی اور جذباتی بھی ہو۔

اسے سمجھایا جائے کہ اس کتاب کا نام قرآن کریم ہی اسلئے ہے کہ یہ عزت و تکریم تقسیم کرنے والی کتاب ہے جو اس کتاب کا ہو گیا یہ کتاب اسکے لیے کافی ہوگی۔ جیسے:

”إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواماً ويضع به آخرين“ ”اللہ رب العزت اس کتاب کے ذریعہ قوموں کو سر بلندی عطا کرتا ہے اور اسی کتاب کے ذریعہ قوموں کو پستی میں بھی گراتا ہے“ (صحیح مسلم: صلاة المسافرين: باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه... الخ، ح: ۸۱۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح فتح الباری میں اس طرح فرماتے ہیں: ”يرفع الله المؤمن العالم على المؤمن غير العالم“۔ ”اللہ اس کتاب کے عالم مومن کو نہ جاننے والے مومن عالم پر فضیلت عطا کر دیتا ہے“

بچوں کو بتایا جائے کہ دنیا کے سبھی علوم پر اس علم کو سبقت ملی ہوئی ہے۔ اللہ رب العزت دنیا میں قرآن کے پڑھنے والے کو یومِ جزاء کے روز بلائے گا اور کہے گا اے صاحبِ قرآن!! پڑھتا جا اور (درجے) چڑھتا جا اور اس طرح آہستہ آہستہ تلاوت کر جیسے تو دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا پس تیرا مقام وہ ہوگا جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہوگی۔“ (سنن أبی داؤد: الوتر، باب کیف يستحب الترتیل فی القراءة، ح: ۱۴۶۴)

بچے کو سمجھایا جائے کہ بیٹا!!! ”جس روز ساری دنیا کے انسان ایک ایک نیکی کو ترس رہے ہوں گے اللہ رب العزت ایک باعمل قرآن پڑھنے والے کو بلا کر کہے گا کہ تو جنت کی سیڑھیاں چلتا چلا جا اور جہاں تیری تلاوت ختم ہو جائے وہی تیری منزل ہے یہ یقیناً بہت بڑا شرف ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تم اپنی حقیقی کوشش سے اس اعزاز کے

قابل بنو۔

(۴) کثرت دعا کا اہتمام:

بلاشبہ یہ ایک نہایت ہی عظیم اور بلند و برتر کام ہے جسے انسان کا صرف اپنی کوششوں کے بل بوتے پر پایہ تکمیل تک پہنچانا تقریباً ناممکن ہے لہذا اس کام کے لیے ہمہ وقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد طلب کرنی چاہیے عموماً ہوتا یہ ہے کہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کے حوالے سے مادی ذرائع کا استعمال تو ہم کرتے ہیں لیکن جس چیز پر توجہ نہیں دیتے وہ ہے اولاد کے لئے کثرت سے دعا کرنا۔ یہ انبیاء کا شیوہ ہے۔

دعاء ابراہیم دیکھیں: ”رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ“ ”اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی، اے ہمارے رب ہماری دعا قبول فرما“ (ابراہیم: ۴۰)

مزید اس دعا پر بھی غور کریں!

”وَأَصْلَحَ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ ”اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں“ (احقاف: ۱۵)

بچوں کی فوز و فلاح کے لئے اللہ سے دست بہ دعا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ایک بات اور سمجھ لیں کہ ماں باپ اور اساتذہ کی عبادت و ریاضت بچوں کی فلاح و کامرانی میں کلیدی کردار انجام دیتی ہیں۔ اس ضمن میں حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے عمل سے ہم کو رہنمائی و ہدایت حاصل ہوتی ہے آپ اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں ”میں اپنی نماز میں تیری وجہ سے اضافہ کرتا ہوں، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے تیری رعایت کر دے، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ ”وکان ابوہما صالحا“ (سورہ کہف: ۸۲) تلاوت فرمائی، علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نیک آدمی کے سبب اس کی اولاد کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے اور والد کی عبادت کی برکات اسے دنیا و آخرت دونوں میں حاصل ہوتی ہیں“

لہذا سمجھ یہ آیا کہ والدین کا اللہ کے اوامر کی بجا آوری اور اسکی منہیات سے پرہیز اور ہمہ وقت بچے کے علم و عمل کے لیے اللہ کے حضور سوال کرتے رہنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

جاری ہے۔

مزار بنانا صحابی کا کام نہیں ہے

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبى بعده، اما بعد:

محترم قارئین! مجھے ایک بھائی کے ذریعہ ایک ایچ پیج پر۔ جس میں ان الفاظ کے ساتھ درج ذیل سرخی لگی ہوئی تھی:

”مزار بنانا صحابی کا کام (اور) مزار گرانہ وہابی کا کام“

پھر اس کے نیچے لکھا ہوا ہے:

”صحابی رسول عقیل بن ابی طالب (حضرت علی کے بھائی) نے ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر کمرہ بنایا۔“

پھر اس میں دو (۲) فوٹو لگی ہوئی ہے۔ اس کے بیچ میں درج ذیل بات لکھی ہوئی ہے:

”مسلمانو!!!! اپنی صفوں میں چھپے دشمنوں کو پہچانو۔“

پھر اس کے بعد امام ابن شہ رحمہ اللہ کی کتاب تاریخ المدینہ سے پوری روایت ذکر کی۔

میرے پیارے اسلامی بھائیو اور بھنوں!

سب سے پہلے اس ایچ پیج میں پیش کردہ واقعہ کی مفصل تحقیق پیش خدمت ہے:

✽ امام عمرو بن شہ البصری النعمیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۲ھ) فرماتے ہیں:

”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ السَّائِبِ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَدِّي

قَالَ: ”لَمَّا حَفَرَ عَقِيلُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي دَارِهِ بَيْتًا وَقَعَ عَلَى حَجَرٍ مَنْقُوشٍ مَكْتُوبٍ فِيهِ: قَبْرُ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ

صَخْرٍ بْنِ حَزْبٍ، فَدَفَنَ عَقِيلُ الْبَيْتَ، وَبَنَى عَلَيْهِ بَيْتًا“

قَالَ يَزِيدُ بْنُ السَّائِبِ: ”فَدَخَلْتُ ذَلِكَ الْبَيْتَ فَرَأَيْتُ فِيهِ ذَلِكَ الْقَبْرَ“

ترجمہ: یزید بن سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا کہ جب عقیل بن ابی طالب رضی

اللہ عنہ نے اپنے گھر میں کنواں کھودا تو اسی درمیان ایک نقش کیا ہوا پتھر ملا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی: ”قَبْرُ أُمِّ

حَبِيبَةَ بِنْتِ صَخْرٍ بْنِ حَزْبٍ“ ”یہ ام حبیبہ بنت صخر بن حرب کی قبر ہے“ تو عقیل رضی اللہ عنہ نے کنواں بند کر دیا، اور

اس پر ایک عمارت بنا دی۔

(راوی) یزید بن سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”میں اس گھر میں داخل ہوا اور میں نے اس میں وہ قبر دیکھی ہے“

(تخریج) تاریخ المدینۃ بتحقیق فہیم محمد: ۱/۲۰۱، و بتحقیق عبد اللہ بن محمد الدویش

: ۱/۱۱۹.

(حکم اثر) ”اسنادہ ضعیف جدا“ ”اس کی سند سخت ضعیف ہے“

✽ شیخ عبد اللہ بن محمد الدویش حفظہ اللہ: ”فی اسنادہ عبد العزیز بن عمران و هو متروک“ ”اس کی سند میں

عبد العزیز بن عمران ہے اور وہ متروک ہے“ (فی تحقیق تاریخ المدینۃ لابن شبۃ)

(سبب) مذکورہ قصہ کی سند میں: ”عبد العزیز بن عمران القرشی المدنی“ ہے جو منکر الحدیث، ضعیف

اور متروک الحدیث ہے۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

✽ امام ابو زکریا یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ): ”لَيْسَ بِثِقَّةٍ وَإِنَّمَا كَانَ صَاحِبَ شَعْرٍ“ ”یہ ثقہ

نہیں ہے بلکہ شاعر ہے“ (تاریخ ابن معین (روایۃ الدارمی) بتحقیق احمد محمد، ص: ۱۶۹، ت: ۶۰۷)

✽ امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ): ”لَا يَكْتَبُ حَدِيثَهُ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ“ ”اس کی

حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ یہ منکر الحدیث ہے“ (التاریخ الکبیر بحواشی محمود خلیل: ۲/۲۹۶، ت: ۱۵۸۵)

✽ امام عمرو بن شبہ البصری (صاحب کتاب تاریخ المدینۃ المنورہ) رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۲ھ): ”وَكَانَ عَبْدُ

الْعَزِيزِ كَثِيرَ الْغَلَطِ فِي حَدِيثِهِ لِأَنَّهُ أَخْرَقَ كُتُبَهُ، فَإِنَّمَا كَانَ يُحَدِّثُ بِحِفْظِهِ“ ”عبد العزیز حدیث میں کثرت

سے غلطی کرتا تھا کیونکہ اس کی کتابیں جل گئی تھیں۔ وہ اپنے حفظ سے بیان کرتا تھا“ (تاریخ المدینۃ بتحقیق فہیم

محمد: ۱/۱۲۳)

✽ امام ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴ھ) نے موصوف سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا۔ (الجرح

والتعدیل لابن ابی حاتم بتحقیق المعلمی: ۵/۳۹۱، ت: ۱۸۱۷)

✽ امام ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ): ”متروک الحدیث ضعیف الحدیث،

منکر الحدیث جدا“ ”متروک الحدیث، ضعیف الحدیث اور سخت منکر الحدیث راوی ہے“ (الجرح والتعدیل لابن

ابی حاتم بتحقیق المعلمی: ۵/۳۹۱، ت: ۱۸۱۷)

✽ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ): ”مُتْرُوكُ الْحَدِيثِ“ (الضعفاء والمتروكون بتحقیق محمود ابراہیم زاید، ص: ۷۲، ت: ۳۹۳)

✽ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، المعروف بابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ): ”مِمَّنْ يَرْوِي الْمَنَاقِبَ عَنِ الْمَشَاهِيرِ فَلَمَّا أَكْثَرَ مِمَّا لَا يَشْبَهُ حَدِيثَ الْأَثْبَاتِ لَمْ يَسْتَحِقْ الدُّخُولَ فِي جَمَلَةِ الثِّقَاتِ فَكَانَ الْغَالِبَ عَلَيْهِ الشُّعْرُ وَالْأَدَبُ دُونَ الْعِلْمِ“ ”یہ مشہور روایت سے منکر روایتیں بیان کرتا تھا۔ چونکہ وہ حدیثیں جو ثقات کی احادیث کے مشابہ نہیں ہوتی تھیں، کثرت سے بیان کر دی تو ثقات کے زمرے میں شامل کئے جانے کا مستحق نہیں رہا۔ اس پر شعر اور ادب غالب تھا نہ کہ علم“ (المجروحین بتحقیق محمود ابراہیم: ۱۳۹/۲، ت: ۷۲۲)

✽ امام ابو احمد بن عدي الجرجاني رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ): ”وهذا لا يرويه إلا عبد العزيز بن عمران، بهذا الإسناد، وهو منكر، وله غير هذا الحديث، وقد حدث عنه جماعة من الثقات أحاديث غير محفوظة“ ”اس حدیث کو صرف عبد العزيز بن عمران نے روایت کیا ہے اس سند کے ساتھ اور یہ منکر ہے۔ اس حدیث کے علاوہ اس سے اور بھی کئی احادیث مروی ہیں۔ ان سے ثقات کی ایک جماعت نے غیر محفوظ روایتیں بیان کی ہیں“ (الکامل فی ضعف الرجال بتحقیق عادل أحمد ورفقاء: ۵۰۰/۶، ت: ۱۲۲۳)

✽ امام ابو الحسن علی بن عمر البغدادي الدارقطني رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ): ”ضعيف“ (العلل الواردة في الأحاديث النبوية بتحقیق محمد بن صالح: ۱۱۵/۱۳، رقم السؤال: ۲۹۹۴)

✽ امام شمس الدين محمد بن احمد الذهبي رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ)

(۱) ”مُتْرُوكُ الْحَدِيثِ“ (تاریخ الإسلام بتحقیق بشار عواد: ۴۸۳/۱)

(۲) ”ترکوه“ ”اس کو محدثین نے ترک کر دیا ہے“ (الکاشف بتحقیق محمد عوامہ وغیرہ: ۶۵۷/۱، ت: ۳۴۰۵)

(۳) ”مجمع علی ضعفه“ ”اس کے ضعف پر اجماع ہے“ (دیوان الضعفاء بتحقیق حماد الأنصاري، ص: ۲۵۳، ت: ۲۵۶۸)

✽ امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ): ”متروك، احترقت كتبه فحدث من حفظه فاشتد غلطه وكان عارفاً بالأنساب“ ”یہ متروک ہے۔ اس کی کتابیں جل گئی تھیں تو اپنے حفظ سے بیان کرتا تھا اور فاش غلطیاں کرتا تھا۔ نسب کا جانکار تھا“ (تقریب التهذیب بتحقیق محمد عوامہ، ص: ۳۵۸، ت: ۴۱۱۴)

مزید اقوال کے لئے دیکھیں: (تہذیب الکمال للزمی بتحقیق بشار عواد: ۱۸/۱۷۸، ت: ۳۴۶۵)

(خلاصہ التحقیق) مذکورہ قصہ ثابت نہیں ہے۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

محترم قارئین! مذکورہ تحقیق کے بعد، اب کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مزار بنانا صحابی کا کام ہے۔

اب آپ کی خدمت میں قبر پر تعمیر کرنے کی ممانعت سے متعلق رحمت للعالمین ﷺ کا صریح فرمان پیش کرتا

ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

✽ **قبر پر کوئی چیز تعمیر کرنا حرام ہے:**

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقَعَّدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ“ ”رسول اللہ

ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے“ (صحیح مسلم: ۹۷۰)

اس حدیث سے متعلق علماء کے اقوال پیش خدمت ہیں:

✽ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوينی، المعروف بابن ماجہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۳ھ) نے ان الفاظ میں باب

باندھا ہے:

”بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْبِنَاءِ عَلَى الْقُبُورِ، وَتَجْصِصِهَا..“ ”قبر پر تعمیر کرنے اور اس کو پختہ بنانے کی

ممانعت کے تعلق سے مروی احادیث کا باب“ (سنن ابن ماجہ، قبل الحديث: ۱۵۶۲)

✽ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، المعروف بابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے ان الفاظ میں باب

باندھا ہے:

”ذِكْرُ الزَّجْرِ عَنِ اتِّخَاذِ الْأَيْنَةِ عَلَى الْقُبُورِ“ ”قبر پر عمارت بنانے پر زجر و توبیخ کا ذکر“ (صحیح ابن حبان

بتحقیق شعیب: ۳۳۲/۷، قبل الحديث: ۳۱۶۳)

✽ امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) نے ان الفاظ میں باب باندھا ہے:

”بَابُ لَا يُبْنَى عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُجَصَّصُ“ ”اس بات کا باب کہ قبر پر کچھ بنایا نہیں جائے گا اور نہ ہی اسے پختہ کیا

جائے گا“ (السنن الكبرى بتحقیق محمد عبد القادر: ۶/۴، قبل الحديث: ۶۷۶۲)

✽ امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۶ھ) نے ان الفاظ میں باب باندھا ہے:

”بَابُ النَّهْيِ عَنِ تَجْصِصِ الْقَبْرِ وَبِنَائِهِ عَلَيْهِ“ ”قبر کو پختہ بنانے اور اس پر تعمیر کرنے کی ممانعت کا باب“ (شرح مسلم: ۲۷/۷)

✽ علامہ عبدالرحمن المبارکپوری رحمہ اللہ سنن الترمذی کی شرح میں، اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

”فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى تَحْرِيمِ الْبِنَاءِ عَلَى الْقَبْرِ“ ”اس میں قبر پر تعمیر کرنے کی حرمت پر دلیل موجود ہے“ (تحفة الاحوذی: ۱۳۳/۴)

✽ قبر پر لکھنا یا کسی چیز پر میت کا نام وغیرہ لکھ کر اسے قبر کے پاس رکھنا:

اس تعلق سے ان شاء اللہ العزیز الگ سے ایک مضمون میں گفتگو کی جائے گی۔

✽ مزار اور شریعت محمدی ﷺ والہ وسلم:

محترم قارئین! مزار بنانے کا حکم۔۔۔

محترم قارئین! قبرستان جانا، وہاں مدفون تمام لوگوں کے لئے دعائیں کرنا، قبروں کی زیارت کرنا، یہ سب شریعت میں جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے قول و عمل سے یہ ساری چیزیں ثابت ہیں۔ لیکن قبروں پر عمارت تعمیر کر کے اسے مزار یا درگاہ بنانا اس کا حکم:

(۱) اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔

(۲) اللہ کے رسول ﷺ نے بھی نہیں دیا ہے اور نہ ہی آپ نے کسی کی مزار بنوائی ہے۔

(۳) کسی صحابی رسول نے بھی نہیں دیا ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی صحابی نے کوئی مزار بنایا ہے۔

اس کے برعکس نبی کریم ﷺ نے قبر پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے: جیسا کہ گزشتہ سطور میں حدیث اور علماء کے اقوال گزر چکے ہیں۔

اب آپ کی خدمت میں ایک حدیث پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتُ بَعْضَ نِسَائِهِ كَنِيْسَةً زَانَتْهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ يَقَالُ لَهَا: مَارِيَّةُ، وَكَانَتْ أُمَّ سَلَمَةَ وَأُمَّ حَبِيبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَتَتَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ، فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيرِ فِيهَا، فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: أُولَئِكَ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوْرَةَ، أُولَئِكَ شَرَّ أَرْوَاحِ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ“ ”جب اللہ کے نبی ﷺ بیمار ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک گرجے کا ذکر کیا جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، جسے ماریہ کہا جاتا تھا۔ ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما دونوں حبشہ کے ملک میں گئیں تھیں، انہوں نے اس کی خوبصورتی اور اس میں رکھی ہوئی تصاویر کا بھی ذکر کیا۔ اس پر آپ نے اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب ان میں کوئی صالح آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر دیتے پھر اس میں ان تصویروں کو بنا دیتے۔ اللہ کے نزدیک یہی لوگ ساری مخلوق میں سب سے برے ہیں“ (صحیح البخاری:

۱۳۴۱، واللفظ لہ وصحیح مسلم: ۵۲۸)

اس حدیث کو آپ غور سے پڑھیں اور اپنے ارد گرد کے مزاروں کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ:

(۱) ان مزاروں کا نام ایک بزرگ اور نیک شخص کے نام پر ہے جیسے: حاجی علی بابا، شیخ مصری درگاہ، غنیمین شاہ درگاہ وغیرہ یا کسی بزرگ اور نیک شخص کا نام اس مزار سے جڑا ہوا ہے۔

(۲) وہ مزار ایک بزرگ کے قبر پر بنی ہوئی ہے۔

(۳) ان مزاروں پر لوگ سجدہ کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی کام ہوتے ہیں، میں نے مذکورہ حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف تین (۳) کام بتائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صرف اپنے سامنے سجدہ کرنے والا بنائے اور تمام حرام اور شرکیہ کاموں سے بچائے۔ آمین۔

✽ آخری بات:

میرے پیارے بھائیو اور بہنو! اب آپ ہی بتائیں کہ مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟

جو صحیح بات کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرے وہ یا جو غیر ثابت اور سخت ضعیف واقعہ کو پیش کرے وہ؟

اس طرح کی غیر ثابت چیزوں کو پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دینے والے لوگوں سے گزارش کرتا ہوں ہے کہ اللہ کے واسطے رب العالمین سے خوف کھائیں، کل قیامت کے دن ہر آدمی کو اپنے کئے کا حساب دینا ہے، لوگوں کو گمراہ نہ کریں، صحیح بات لوگوں تک پہنچائیں۔

اللہ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین۔

(خلاصہ البحث) صحابی رسول عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر ایک گھر تعمیر

کرنا ثابت نہیں بلکہ اس واقعہ کی سند سخت ضعیف ہے لہذا اس واقعہ سے کسی بھی طرح کا کوئی استدلال نہ کیا جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

اور کسی قبر پر کوئی گھر وغیرہ تعمیر کرنا حرام ہے اور مزار، شریعت کا حصہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



اسلامک انفارمیشن سینٹر اور اس کی سرگرمیاں



مندرجہ بالا ہماری دعوتی و رہنمائی سرگرمیاں ہیں جنکا مقصد اسلام کی صاف و شفاف تعلیمات کو اللہ کے بندوں تک پہنچانا، اسلام کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کازالہ کرنا اور لوگوں کے دکھ درد میں انکی مدد کرنا ہے۔ بلاشبہ یہ تمام کام اللہ کی توفیق اور اہل خیر کے تعاون سے ممکن ہو پاتے ہیں۔ چنانچہ ہماری آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہماری دعوتی و رہنمائی سرگرمیوں میں ہمارے شریک اجر بنیں اور اپنے صدقات، زکاۃ اور عطیات سے سینٹر کا تعاون کریں۔ اللہ رب العزت آپ کے تعاون کو آپ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

For Bank Transfer

Bank Name : ICICI Bank (Savings)
Account Name : ILM Foundation
Account Number : 102801002071
IFSC Code : ICIC0001028
MCR Code : 400229097
Branch : Andheri Link Road, Mumbai

For Transfer Through PayTm



PayTm Number 8291063765

For Contact Or WhatsApp

+91 9773112909
+91 8291063785
+91 8291063755

For Transfer Through UPI



UPI QR Code

جنوری ۲۰۱۹ء میں اسلامک انفارمیشن سینٹر

کی جانب سے منعقد کئے گئے پروگرامز کی ایک جھلک

اسلامک انفارمیشن سینٹر، راجہ پور، لاہور

پندرہ روزہ درس

قنات اسلام کی نظر میں

شیخ زفر علی خان صاحب مدنی

QANA'AT

ISLAM KI NAZAR MEIN

SHAIKH ZAFARULLAH FAIZI

SUNDAY 06.01.2019
AFTER ASR SALAH

IC Islamic Information Center

اسلامک انفارمیشن سینٹر، راجہ پور، لاہور

شکرگزاری اور ہم

شیخ کلامہ ابراہیم صاحب مدنی

Shukrguzari Aur Hum

SUNDAY 06.01.2019

After Maghrib

IIC Karla

IC Islamic Information Center

اسلامک انفارمیشن سینٹر، راجہ پور، لاہور

نماز میں سافت بندی

نامہز میں سافت بندی

Alhijab, Zarqaat, Ma Fanaad

SUNDAY 06.01.2019

AFTER MAGRIB 30-10 SAVANA

IC Islamic Information Center

اسلامک انفارمیشن سینٹر، راجہ پور، لاہور

ہفت روزہ اجتماعات جنوری ۲۰۱۹ء

IC Islamic Information Center

اسلامک انفارمیشن سینٹر، راجہ پور، لاہور

کے بیچان یا بہنہ میرا اس میں

Apna Hissa Mera'af Kar Dethi Main ?

Shahid Kifayatullah Samadani

Nikmah Ke Maqaid Aur

Raj Ka Nikah

Shahid Abdul Shakoor Madani

13.01.2019

IC Islamic Information Center

اسلامک انفارمیشن سینٹر، راجہ پور، لاہور

سیرت عثمان بن عفان

Seerat-E-Usman Bin Affan

Shahid Kafi Abdul Rabb Madani

13.01.19

After Maghrib at IIC Karla Centre

IC Islamic Information Center

اسلامک انفارمیشن سینٹر، راجہ پور، لاہور

WhatsApp Istemaal Karne Ke Islami Aadaab

Shahid Kafi Abdul Rabb Madani

13.01.2019

After Maghrib, IIC Sakina

IC Islamic Information Center

اسلامک انفارمیشن سینٹر، راجہ پور، لاہور

رزق کی کنجیاں

Rizq Ki Kunjiaan

Shahid Muhammad Javed Madani

20.01.2019

After Asr, At IIC Andheri

IC Islamic Information Center

Please Help Ahlus Sunnah

Every Month, Ahlus Sunnah is sent free of cost to many Masjids, Madrasas, Jamiat, Library, and many individuals. we seek your help to sustain this.

Special Help 5000/- خصوصی تعاون

Yearly Help 3000/- سالانہ تعاون

Monthly Help 300/- ماہانہ تعاون

اہل السنۃ کا تعاون کریں

مجلد اہل السنۃ مختلف مساجد، مدارس، جامعات، لائبریریوں اور بعض حضرات کو ماہانہ مفت ارسال کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں آپ سے تعاون کی درخواست ہے۔

DONATE TO



Bank Name : ICICI Bank (Current Account)
Account Name : Ahl Us Sunnah
Account Number : 102805001781
IFSC Code : ICIC0001028
Branch : Andheri Link Road Branch

Call For Confirmation : +91 8657458182